





بعد امرد کو اپنی رہائش اور اخراجات کا خود بندوبست کرنا ہو گا۔ یہ سب باتیں اسے برطانیہ پہنچنے کے بعد دانتھم بتاتا ہے۔ دادا جی امرد کے لیے پیسے اکٹھے کر کے اسے برطانیہ بھجوا دیتے ہیں۔ باقی اسے خود اپنے بل بوتے پر کرنا ہو گا۔ عذرا، شرلی، بیٹی لو اور لسی کول سے اس کی ابتدائی ملاقات ہوتی ہے۔

امرد بڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک کافی شاپ میں جاب کرنے لگتی ہے اور لیڈی مہر کے گھر اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ لیڈی مہر بے اولاد خاتون ہیں۔ انہوں نے۔۔۔ ششل کاک نامی اپنے ہاسٹل نما گھر میں مختلف بچوں کو اولاد کی طرح رکھا ہے۔ ان ہی میں ایک عالیان مارگریٹ ہوتا ہے۔ وہیں سادھنا، ویرا اور این اون سے اس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جاب کے دوران وہ ڈیرک کے ساتھ مل کر ڈاکو منسٹر فلم بنانے لگتی ہے۔

اسی دوران امرد کے بابا جن کی اعظم مارکیٹ میں قالین کی دکان ہوتی ہے، آگ لگ جاتی ہے جس سے ان کا بیس پچیس لاکھ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ انہیں انیک ہو جاتا ہے۔ امرد انہیں تسلی دیتی ہے اور ڈاکو منسٹر فلم سے ملنے والے۔۔۔ پیسے ان کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈی مہر بھی اسے ایک چیک دیتی ہیں۔ امرد وہ رقم بھی پاکستان بھجوا دیتی ہے۔ امرد کے والد بہت خوش ہوتے ہیں۔ امرد نے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہوتی ہے جب عالیان مارگریٹ کسی اسپائیڈر مین کی طرح اس کی کھڑکی میں جھانکتا ہے۔ امرد کی چیخ نکل جاتی ہے۔

عالیان بتاتا ہے یہ اس کا گھر ہے وہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے کود کر باہر نکل گیا، تھوڑی دیر بعد گھر میں آوازیں گونجنے لگیں تو سادھنا نے بتایا کہ لیڈی مہر کا بیٹا آیا ہے۔ وہ لیڈی مہر کے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ وہ لیڈی مہر کے بیڈ پر بیٹھا نہیں ایک کھلا رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ لیڈی مہر نے ایک بار بتایا تھا کہ ان کا بیٹا بھی اس کی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اور بہت قابل ہے۔

امرد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا نام عالیان تھا اور اس کی ماں کا نام مارگریٹ۔ اسے عجیب سا لگا، ناجائز؟ دوسرے دن لیڈی مہر کی سالگرہ تھی جو ان کے بچوں نے بڑے اہتمام سے منائی۔ انہوں نے امرد کو عالیان کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے اسے ایک ادارے سے لیا تھا اور بڑی تن دہی سے اس کی تربیت کی ہے۔ امرد کو افسوس ہوا کہ اس کی اماں نے کبھی بیٹوں کی تربیت پر توجہ نہیں دی تھی۔

ویرا کا ساتھ امرد کو احساس دلایا تھا کہ عورت بھی بہادر ہو سکتی ہے۔ عالیان کی توجہ نے امرد کو ایک عجیب احساس سے دوچار کر دیا، وہ لاشعوری طور پر عالیان سے متاثر ہو رہی تھی۔

ہارٹ راک میں امرد اور ویرا کی باتیں ریکارڈ کر کے چلانے پر امرد ویرا سے ناراض ہو جاتی ہے۔ امرد کو شدت۔۔۔

احساس ہوتا ہے کہ عالیان کے بارے میں یہ سب کہہ کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ ہارٹ راک کیفے کے باہر امرد، عالیان کا انتظار کرتی ہے، مگر وہ اس سے صحیح سے بات نہیں کرتا۔ رات کو عالیان ویرا کو ششل کاک چھوڑ کر جاتا ہے امرد کو یہ بات پری لگتی ہے کہ عالیان اپنی سائیکل پہ ویرا کو چھوڑنے آیا۔ ویرا امرد کو بتاتی ہے کہ وہ گر گئی تھی۔ اس کے پیر پر چوٹ آئی تھی اس لیے عالیان اسے گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔

امرد بہت کر کے عالیان سے ملنے دوبارہ جاتی ہے۔ وہ اسے ٹوئیٹ میں چاکلیٹ دیتی ہے۔ عالیان حیران ہوتا ہے، مگر پھر اس کی ٹوئیٹ لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس پر امرد کہتی ہے کہ اگر تم ٹوئیٹ دو تو میں ابھی بھی تیار ہے۔ عالیان لا جواب ہو جاتا ہے۔

۶

## چھٹی قسط

”کون ہیں آپ؟“  
”میرا خیال ہے تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا۔ تم اس بارے میں سوچو۔“  
چاہیے میں نے تمہیں ایک بہت بڑی رقم آفر کی ہے

ماہنامہ شعاع دسمبر 2014 214



خود غرضی دکھا رہی ہیں، انہیں شاید عالیان کے چھن جانے کا ڈر ہے، وہ عمر کے اس حصے میں اسے کسی کے ساتھ بانٹنا نہیں چاہتیں یا انہیں لگتا ہوگا کہ ایسے وہ ان سے بہت دور چلا جائے گا۔ امردہ کے بیک میں اس شخص کا دیا کارڈ رکھا ہے امردہ اس بات کو گول کر گئی۔ اس نے اس بات کو مختلف انداز میں سوچا اور اندر ہی اندر اس کے منہ پہلوؤں پر ہی غور کرتی رہی۔

عالیان کا ایک خاندان ہوگا شاید بھائی، بہن، انکل، آئی، نجانے کون کون۔ کسی وجہ سے اگر وہ عالیان سے دور ہوئے بھی تو اب تو وہ عالیان کو ڈھونڈ رہے ہیں نا۔ یونیوٹی میں امردہ نے عالیان کو دکھا تو اس کا دل چاہا کہ اسے جا کر بتائے کہ کوئی اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ یہ اتنی بڑی بات تھی کہ اس سے صرف اپنے اندر رکھی نہیں جا رہی تھی۔ اور وہ خود کو بار بار اس پر سوچنے سے بھی نہیں روک سکی۔



سادھنا کے ساتھ وہ اس سے ملنے اس کے ہال آئی تھیں اور دونوں لان میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئیں۔

”آپ نے یہاں آکر مجھے حیران کر دیا۔“

”مگر میں تمہارے جیسی ہوتی تو میں بھی تمہاری کھڑکی سے آتی تم سے ملنے۔“

”سی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ میں سپر مین بن جاؤں اور آپ کو اپنے ساتھ اڑاؤں۔“

”مگر تم سپر مین بن بھی گئے تو بھی میں تمہارے ساتھ کسی چوٹی یا بادل کے ٹکڑے پر جانے کے لیے تیار نہیں ہوں گی۔“

”آپ کو تیار ہونے کی نہیں صرف آنکھ بند کرنے کی ضرورت ہوگی۔“

”اپنے ساتھ اڑانے کے لیے تم کسی اور کو تیار کرو۔ ڈگری کے بعد کیا پلان ہے تمہارا؟“

”میں ابھی بھی پولیس کو فون کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔“

”تم جلد ہی مجھے فون کرو گی اتنے پیسے کم نہیں ہوتے۔“ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کا انداز ایسا تھا جیسے اسے یقین تھا کہ اسے ضرور فون کیا جائے گا کیوں کہ اس نے مبالغے کی حد تک ایک بہت بڑی رقم آفر کر دی تھی۔ اس کے لیے کسی کا بھی لالچ میں آ جانا فطری ہے۔

امردہ خود کو کسی فلم کا کردار محسوس کرنے لگی۔ مارگریٹ جوزف کے بیٹے عالیان مارگریٹ کو کوئی ڈھونڈ رہا ہے۔ کون؟ مارگریٹ کے خاندان کا کوئی فرد یا اس کے باپ کے خاندان کا۔ یا اس کا باپ ہی۔ یہ شخص عالیان کا باپ یا کوئی انکل نہیں ہو سکتا کیوں کہ ایک تو وہ سیاہ فام تھا وہ سارا چالیس سال سے کم کا تھا۔ مگر عالیان کے لیے لیڈی مہرنے درخواست کی تھی کہ کوئی کچھ بھی پوچھے اسے نہ بتایا جائے، لیکن کیوں؟ وہ عالیان کو کیوں چھپا رہی ہیں؟

گھر آنے تک وہ کلنی دیر اس سلسلے میں سوچتی رہی اور پھر لیڈی مہرنے کے کمرے میں جا کر انہیں سب بتا دیا وہ اس شخص کا حلیہ پوچھنے لگیں۔

”تم کسی سے ذکر نہ کرنا اس بات کا خاص کر عالیان سے۔“

”یہ کون تھا؟“

”امردہ! یہ سب معاملات اتنے نازک ہیں کہ میں اس بارے میں کسی سے بھی بات نہیں کر سکتی اور تمہارے لیے یہ جاننا ضروری بھی نہیں۔“

”کیا آپ عالیان کو اس کی ماں یا باپ کے خاندان سے چھپا رہی ہیں؟“ امردہ نے سنگ دلی سے پوچھا۔

”نہیں اس بات سے تکلیف ہوئی۔“

”نہیں جو کر رہی ہوں عالیان کے لیے کر رہی ہوں۔“

امردہ کو تھوڑا غصہ آیا وہ سب معاملات اپنے ہاتھ میں کیوں رکھنا چاہتی ہیں۔ انہیں عالیان کو اس سلسلے میں باخبر رکھنا چاہیے اسے لگا کہ وہ اس معاملے میں



”مزید ایک اور ڈگری کے ساتھ کوئی بزنس شروع کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں سوچ رہی ہوں ہم کسی اور ملک چلے جائیں۔“

”کس ملک اور کیوں ماما؟“

”کسی بھی ملک تم دیکھ لیتا جو تمہیں اچھا لگے۔“

”آپ نے ایک دم سے برطانیہ چھوڑنے کے بارے میں کیوں سوچ لیا؟“

”کافی عرصے سے سوچ رہی ہوں بس تم اس بات کو ذہن میں رکھنا۔“

”ٹھیک ہے، لیکن میں جہان ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ کو مائجسٹر سے کتنی وابستگی ہے۔“

”مجھے اپنے بچوں کے علاوہ کسی سے کوئی وابستگی نہیں۔“

”میں سمجھا نہیں ماما۔!“

”تم اسے چھوڑو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ امرہ اور تمہارے درمیان کیا چل رہا ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”دوستی ختم کر دی ہے اس سے۔ تم ایسے تو نہیں ہو دوست بنا کر چھوڑ دینے والے۔ امرہ لوگوں کو جلد ناراض کر دیا کرتی ہے، لیکن اسے جلد ہی اس بات کا احساس بھی ہو جاتا ہے اس میں خوبیاں اور خامیاں ساتھ ساتھ ہیں اور یہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں ہم سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ کہہ کر انہوں نے عالیان کی طرف سے کسی جواب کا انتظار کیا۔

”دیکھو، جواب میں تم خاموش ہو۔ یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ مجھے تم سے ایک اور بات پوچھنی ہے عالیان۔ میں تمہاری ماں ہوں شاید تمہارا دل رکھے لیکن۔“

”مجھے اس شخص سے نہیں ملنا ماما۔ نہ مجھے اسے ڈھونڈنا ہے۔“

”شاید تمہیں اس سے مل کر اچھا لگے۔“

”وہ میرے لیے گلی ہے اور گلی کبھی اچھی نہیں

لگتی۔ مجھے اس شخص کے تذکرے سے ہی اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ مجھے لگنے لگتا ہے۔“

”ٹھیک ہے بات ختم۔ بس خاموش رہو، پرسکون رہو۔ میں شارلٹ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ فون پر اس کی ساس نے بہت سخت اور چبھتے ہوئے انداز میں مجھ سے بات کی۔“

”آپ جو روڈن کا سوچیں اس کی ماما کا نہیں۔ پریشان نہ ہوں۔“

”پریشان نہیں دکھی ہوں اس نے کڈز سینٹر میں پرورش پائی ہے ایک مسلم خاتون کی وہ لے پالک بیٹی ہے۔ کتنی بڑی وجوہات ہیں یہ۔“

عالیان سے زیادہ اب کون جان سکتا تھا کہ کتنی بڑی وجوہات ہیں یہ۔

”اچھی بات تو یہ ہے ماما کہ جو روڈن شارلٹ سے محبت کرتا ہے۔“

”اس ایک شخص کی محبت ناکافی ہونے لگتی ہے جب اس کے ساتھ جڑے دوسرے لوگوں کی ناپسندیدگی بڑھنے لگتی ہے۔“

”نہیں ماما۔! پھر دوسروں کی ناپسندیدگیوں کی پروا نہیں رہتی۔“

”تو تم ”محبت“ کے بارے میں سوچتے ہو اس شخص اور اس شخص کے بارے میں۔“

”نہیں۔ آپ جانتی ہیں مجھے ماما مارگریٹ نہیں بننا۔“

”تو تم ماما مہربن جاؤ۔ میں نے اپنے شوہر سے بے لوث محبت کی ہے۔“

”اور آپ کو بدلے میں بے لوث محبت ملی بھی۔“

”تمہیں سمجھی ملے گی مجھے خوف محسوس ہوا ہے یہ جان کر کہ تم محبت سے دور بھاگ رہے ہو تم جوان ہو زندگی کے عملی میدان سے ابھی دور ہو اپنے ذہن و دل کو وسعت دو اور یاد رکھو ”بھاگ جانا“ کسی جذبے سے ہوا عمل سے نقصان دہ ہوتا ہے۔“

”نہ بھاگنا بھی فائدے مند نہیں ہوتا ماما۔ مجھے



”یہ اور برا ہے تمہاری زندگی صرف ایک تعلق تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔“ انہوں نے عالیان کو گہری نظروں سے بہت دیر تک دیکھا۔

”تم آج کل مارگریٹ کی ڈائریاں پڑھ رہے ہو؟ تم اپنی عمر سے بہت بڑے لگ رہے ہو۔“

”کیا آپ مجھے وہ ڈائری بھی دے سکتی ہیں جو آپ کے پاس ہے۔“

”جب تم شادی کر لو گے اور اپنے بچوں کو سائیکل ریس میں ہرا دیا کرو گے تو وہ تمہیں ملے گی، تم نے پھر سے مارگریٹ کی باتیں شروع کر دی ہیں، اسے یاد کرو، لیکن ایسے آہ کے انداز سے نہیں، خوش ہو کر یاد کرو اسے۔“

”جو انسان زندگی میں خوش نہیں رہا اس کے مرنے کے بعد اسے خوشی سے یاد نہیں کیا جاسکتا اور ہم اس شخص کی بد قسمتی کا موازنہ اپنی قسمت کے ساتھ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔“

”تم بد قسمت نہیں ہو، تمہیں میرے عالیان کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔“

”اگر دنیا میں آپ نہ ہوتیں تو میں دنیا کے ہر انسان سے نفرت کرتا۔“

”میں نہ ہوتی تو کوئی اور ہوتا۔“

”نہیں ماما! کوئی اور نہ ہوتا آپ کے علاوہ کوئی مجھ سے ایسی محبت نہ کرتا۔ آخر کار میں نے یہ جان لیا ہے۔“



بہار کی دلہن کی شادی کی تیاریاں اتنے زور و شور سے کی جا رہی تھیں جیسے وہ شاہی خاندان کا آخری چشم و چراغ ہو، ڈیزائنرز، ویڈیو نگرانز اور ان کی ٹیم گھر میں ایسے آتے جاتے نظر آتے جیسے وہ اسی گھر میں رہتے ہوں جس کو گھر سے باہر چلے جاتے ہوں۔

”ماما! آپ اتنے پیسے کیوں بہاؤ کر رہی ہیں؟“ ویک

”تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم پر مزید اور احسان نہ کروں، مگر تمس پر تحائف لیتے بھی تم سب کو شرم آتی ہے، اب تم مجھے دینا چاہتے ہو، لیکن کچھ لینا نہیں، ایسا کر کے تم سب مجھے دو سری عورت، دو سری ماں ہونے کا احساس دلاتے ہو، میرا سب کچھ تمہارا ہے، میری آنکھوں کا نور اور میرے زندہ رہنے کی قوت بھی۔ تم مجھ سے فرمائش نہیں کرتیں کیوں کہ میں دو سری عورت ہوں۔“ وہ خفا ہو گئیں۔

”شادی کے دن مجھے ہاتھی چاہئیں، دس بارہ تو ضرور ہی ہوں، جھیل کنارے چل قدمی کریں۔“ شارلٹ نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں، فرمائشیں شروع ہو گئیں۔

”اگر تمہیں ہاتھی چاہیے تو شادی سری لنکا میں کرنی ہوگی یا افریقہ میں۔“ انہیں ہاتھیوں سے اب بھی مسئلہ نہیں تھا۔

”نہیں! مجھے تو مائچسٹر میں ہی ہاتھی چاہیے اگر آپ نے مجھے اور جذباتی کیا تو میں سفید چیتوں کی فرمائش بھی کر سکتی ہوں۔ آپ ہی میری آنکھوں کا نور اور زندہ رہنے کی قوت ہیں۔“

”تم اور جذباتی ہو سکتی ہو، لیکن صرف اتنا بتا دو کہ تم شادی کرنا چاہتی ہو یا جنگل آباد کر کے شکار؟“

ماما مرنے تک لگایا۔ شارلٹ نے دھڑ دھڑان کا منہ جو منہ شروع کر دیا۔

شادی سے ایک ہفتہ پہلے جوڑن کا خاندان امریکا اور دو سرے ملکوں سے مائچسٹر میں اکٹھا ہو گیا اور وہ سب عارضی رہائش گاہ میں رہنے لگے۔ شارلٹ ان کے استقبال کے لیے گئی اور کافی پریشان صورت واپس آئی۔ جوڑن ماما مرنے کے بلانے پر اپنے ماما پاپا کے ساتھ ڈنر پر آیا تھا۔ تمام وقت ماحول میں تناؤ رہا، اس کی ماما اعصاب تلانے سارا وقت خاموش بیٹھی رہیں اور پاپا نشست گاہ میں تنگی مشہور ہینٹنگز دیکھتے رہے، کھانے کے نام پر چند نوالے کھائے گئے اور جانے میں جلدی کی گئی۔



”تمہیں یقین ہے جو روڈن تمہیں خوش رکھ سکے گا“  
اس کی ماں کی نظروں میں واضح حقارت تھی تمہارے لیے اگر تم اس سے محبت نہیں کرتیں تو چھوڑ دو اسے میں نہیں چاہتی کہ دنیا میں کوئی بھی تمہیں ان نظروں سے دیکھے۔“ لیڈی مہر کی آنکھیں اس وقت سے نم تھیں۔

”جو روڈن مختلف مزاج کا ہے ماما!“ وہ کہہ نہ سکی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اب اسے چھوڑ نہیں سکتی وہ بھی صرف اس کی ماں کی حقارت کی وجہ سے۔  
”محبت کرتا ہے تم سے“ خالی خولی بڑو تو نہیں مار رہا۔“

”مجھے یقین ہے اس کے جذبے پر۔ آپ ایسے پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“  
”تمہارا یہ یقین ہمیشہ قائم رہے۔ میں دعا گو رہوں گی۔“

لیڈی مہر نے سلوہنا اور امرہ کو جو روڈن کے گھر بھیجنا چاہا جو روڈن کے کچھ اور رشتے دار بھی آچکے تھے وہ چاہتی تھیں کہ دونوں جا کر ذرا جانچ بڑھ کر کے آئیں کہ جو روڈن کے خاندان کے باقی افراد خاص کر خواتین کس مزاج سے تعلق رکھتی ہیں تاکہ شادی کے انتظامات میں وہ ان کی پسند کے مطابق رد و بدل کر دیں۔ میڈیا کو بلانے کا خیال تو انہوں نے دل سے ہی نکل دیا تھا اتنے نازک مزاج لوگ تھے نہ جانے کس بات سے بھڑک اٹھتے۔

\*\*\*

یہ فرمائش سنتے ہی امرہ اور سلوہنا کا دم سا نکل گیا۔ جو روڈن کی ماما کی تھی ہوئی بھنوں کو دیکھ کر ہی وہ ڈر گئی تھیں کہاں اب دوسری خواتین سے ملنا۔  
”ہم بہاد کیا کریں گے کہ کیوں آئے ہیں؟“ امرہ گھبرا گئی۔

”سلوہنا! تم کہہ دینا میں جو روڈن کو اپن لگانے آئی ہوں مارکیٹ سے قہل لیتی جانا بتا دینا شارلٹ میری چھوٹی بہن جیسی ہے اپن کی رسم کرنی ہے۔“

سلوہنا کا رنگ ابھن جیسا پیلا ہو گیا۔

امرہ شلووار قمیص، سلوہنا ساڑھی میں ”دولہا جو روڈن“ کو اپن لگانے آئیں۔  
”تمہیں فون کر کے آنا چاہیے تھا جو روڈن گھر نہیں ہے۔“ جو روڈن کی ماما نے بھنوں کی کمانوں میں تیر رکھتے ہوئے کہا۔

”اس رسم میں بتائے آتے ہیں۔“ امرہ نے مسکرا کر کہا۔ شکر ہے ایسی باتیں گوگل نہیں ہو سکتیں۔

وہ دونوں چھ عدد خواتین کے نرغے میں بیٹھی تھیں کچھ ادھر ادھر ٹھہل رہی تھیں۔ امرہ نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سب بہت نازک مزاج اور جدید فیشن کی دلدادہ ہیں۔ ان سب نے ایسے ملبوسات اور زیورات پہن رکھے تھے کہ اگر ان میں سے صرف ایک خاتون کو اٹھا کر بھاگ لیا جاتا اور مارکیٹ میں بیچ دیا جاتا تو ساری عمر میسے کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہ رہتی۔ یا امرہ کے سامنے بیٹھی جو روڈن کی آنٹی کا ایک ہاتھ ہی کٹ کر ساتھ لے جایا جاتا تو بہت ہوتا بلکہ بہت زیادہ ہوتا۔

دن روشن تھا اور وہ سب قلعے نما عمارت کے سامنے دور تک پھیلے لان میں بیٹھے تھے جس میں کئی لمبے لمبے درخت بھی تھے دو مرد اور تین لڑکے درختوں سے ذرا آگے نشانہ بازی کا کھیل کھیل رہے تھے اور کافی ہنگامہ کر رہے تھے۔ امرہ اور سلوہنا کو اٹھنے کی جلدی تھی کہ کہیں دولہا جو روڈن ہی نہ آجائے اور انہیں ابھن کی رسم کرنی ہی پڑے، لیکن جو روڈن کی ماما نے چائے کا آرڈر دیا تھا اور آرڈر تھا کہ اگر نہیں دے رہا تھا۔

”آنٹی جولیا! اب آپ کی باری۔“ نشانچہوں کے ہجوم میں سے ایک لڑکا آیا اور مندوق آگے کی۔

”میں نے مردوں کو ہرانا چھوڑ دیا ہے رائیل!“ آنٹی جولیا جواہرات سے بچی انگلیوں کو لہرا کر مسکرائیں۔

اسی دوران رائیل کی نظریں سلوہنا سے ہو کر امرہ پر آکر ٹھہر گئیں۔

”یہ کون ہیں؟“ وہ امرہ کو دیکھے جا رہا تھا۔



”یہ شارٹ کے گھر سے آئی ہیں کوئی ہندوستانی رسم کرنے۔“  
 ”کیا رسم ہو گئی؟“ اس نے بندوق کی نال امرجہ کے کندھے پر رکھ کر پوچھا۔ امرجہ کو اس کی جرات پر حیرت ہوئی۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔  
 ”ہمیں چلنا چاہیے“ ساوہنا جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

”چائے پی کر جانا۔ بیٹھ جاؤ تم ہندوستانی لوگوں کو نشست و برخاست کے آداب کب آئیں گے؟“ آنٹی جولیا کی آواز ناپسندیدگی کے جذبے سے پر تھی۔  
 امرجہ نے کندھے پر تکی بندوق کی نال کو ہاتھ سے جھٹکا ”یہ کن آداب میں سے ہے؟“ آنٹی جولیا کامنہ بن گیا، رائیل مزے سے امرجہ کو دیکھتا رہا۔  
 ”رائیل! تم انہیں لے جاؤ ان کی نشانہ بازی دیکھو۔“ انداز استہزائیہ تھا لیکن ہنک سے بھرا۔  
 ”اوہاں۔“ رائیل نے کسی قدر کینٹکی سے اپنی ٹھوڑی مسلی۔

”نہیں تو گانا آتا ہو گا یا ناچتا ایسے کام ان کے مرد کرتے ہیں یہ تو مردوں کے صرف پیر چھوٹی ہیں جھک جھک کر۔“ جو روڈن کی ماما کہہ کر دیر تک ہنستی رہیں۔  
 ساوہنا ضبط سے سرخ ہو گئی اگر بات شارٹ اور لیڈی مہر کی نہ ہوتی تو دونوں اتنا ضبط بالکل نہ کرتیں ساوہنا خاموشی سے دوبارہ بیٹھ گئی۔  
 ”دنیا بھر میں بے حس لوگوں کے انداز اطوار ایک جیسے ہوتے ہیں وہ ہنک کر کے شرمندہ ہوتے ہیں نہ خوف زدہ انہیں دوسروں کو گراتے رہنے کا مشغلہ محبوب ہوتا ہے۔“

وہ سب ان دونوں کو ہندوستانی سمجھ رہے تھے۔  
 رائیل نے بلند دبانگ قہقہہ لگایا اور ساوہنا اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔ امرجہ کھڑی ہو گئی اور ہاتھ آگے کیا کہ بندوق اسے دے دی جائے۔

”آہاں۔“ وہ مسکرایا یعنی اسے چڑایا۔ بندوق اس کے ہاتھ میں ہی تھی۔ ساوہنا اپنی جگہ سے گرتے گرتے پچی۔ ”چلو جلدی گھر چلیں“ وہ اس کے قریب

جلدی سے اٹھ کر آئی۔  
 ”رکوزرا۔“ امرجہ رائیل کے ساتھ چلنے لگی۔  
 ”یہ پاگل بن ہے۔“ ہندی میں ساوہنا چلائی۔  
 ”آج یہ پاگل بن ہو جانے والا دنیا میں کسی بھی انسان کو کسی بھی ہنریا قابلیت کی بنا پر کسی دوسرے انسان کی بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں۔“  
 درختوں سے ذرا اس طرف پانچ بناولی کھوکھلے کدو مختلف فاصلوں پر رکھ دیے گئے تھے ایک سے دوسرا دور تھا دوسرے سے تیسرا اور پہلے سے آخری۔ پہلے رائیل نے نشانے لگائے اور دیکھتے ہی دیکھتے چار کدو ہوا میں منتشر ہو گئے پانچواں نشانہ چوک چکا تھا پھر بھی وہ سب اس کے لیے نالیاں بجا رہے تھے یعنی پانچواں کدو ذرا مشکل سے ہی منتشر ہوا تھا۔ اس کا فاصلہ زیادہ اور نشانہ ذرا مشکل تھا۔  
 ”دیکھنا تمہاری کلانی نہ ٹوٹ جائے۔“ رائیل نے بندوق اس کے آگے کی۔

وہ سب استہزائیہ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے یعنی ان کا خیال تھا کہ وہ سراسر جذباتی ہو رہی ہے۔ ناچ گانے کے علاوہ کیا آتا ہو گا انہیں بھلا۔  
 امرجہ نے بندوق پکڑی اور پکڑ کر ایسے اس میں کار توں بھرا کہ رائیل کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

امرجہ دادا کے ساتھ بلوچستان جاتی رہی تھی نا دادا کے اس دوست کے گھر میں تین لڑکے اور اس کی ہم عمر چار لڑکیاں تھیں۔ وہ سب رات دن یہی نشانے لگانے کا کھیل کھیلا کرتے تھے دادا کے دوست کو شوق تھا کہ سالانہ مقامی مقابلوں میں ان کے بیٹے اول آئیں اور وہ آتے بھی تھے۔ لڑکے دن رات مشق کیا کرتے تو لڑکیاں بھی کر لیتیں اور جب امرجہ وہاں جاتی تو امرجہ بھی یہی کھیل کھیلتی تھی۔ امرجہ کی ہم عمر لڑکیاں تو اتنی ماہر تھیں کہ اپنے بھائیوں کو ہرا دیتی تھیں۔

بائیں آنکھ بند کر کے، سانس کو اندر گم کر کے، صرف ہدف پر نظر رکھ کے، آنکھ کی پتلی کو ساکت رکھ کر امرجہ نے ٹریگر دبا دیا۔ اور



سادھنا نے اپنا رکا ہوا سانس چھوڑا، دونوں بند آنکھوں کو کھول کر اسے دیکھا۔

دو سرا کدو پہلے سے زیادہ فاصلے پر تھا وہ بھی منتشر ہوا، تیسرا چوتھا اور پچھپانچویں کی باری آگئی۔

”مقابلہ برابر نہیں ہونا چاہیے اب۔“ سادھنا نے کان میں سرگوشی کی۔

”مقابلہ برابر نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے خود سے کہا۔ بلوچستان میں اس نے جتنی بھی مشق کی ہو وہ

ایک ماہر نشاچی نہیں تھی کبھی کبھار وہ لاہور میں پٹھانوں سے بندوق لے کر غباروں پر مشق کر کے اپنا

شوق پورا کر لیا کرتی تھی۔ اس نشانے کا لگ جانا قسمت ہوتا مچھریا تھا۔

ذرا تاش نے کہا تھا ”نشانہ بازی میں فاصلہ اتنا اہم نہیں جتنا ارتکاز ہدف پر ایسے نظر رکھو جیسے پوری دنیا

میں وہ ہدف ہی باقی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہتھیار کو اپنے ارتکاز کے ہم آہنگ کرو۔ اور ٹریگر دبا۔“

اور اس نے ٹریگر دبا دیا۔ فاصلہ زیادہ تھا۔ نشاچی مشرقی تھا۔ مجمع

خاسدو متکبر تھا اور پانچواں کدو منتشر تھا۔ امرتھ نے بندوق پر سے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے وہ

پٹاخ سے گری اس کی بلا سے بے کار ہو جائے اب صرف مرد حضرات اور سادھنا نے تالیاں بجائیں۔

رافیل کی شکل دیکھنے لائق تھی۔ اس کے ہم عمر لڑکے نظروں ہی نظروں میں اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

وہ دونوں واپس آگئیں اور اپنے پیچھے سناٹا چھوڑ آئیں۔ ”۳۰ سیکنڈ کا جواب میرا کار۔“ سادھنا بہت خوش تھی

”تم آریان کی فیورٹ آٹی ہو۔“ گھر آکر انہوں نے نشانوں والی بات چصیا کر باقی سب

بتا دیا۔ امرتھ شاید وہ نشانے نہ لگائی اگر سادھنا ”کاش یہاں ویرا ہی ہوتی“ نہ بدیڑاتی۔

\*\*\*

”تم سب یونیورسٹی سے اپنے دوستوں کو بلا سکتی ہو

مہر نے ان سب کو اجازت دی۔

امرتھ نے سائی کو بلایا، ویرا نے کسی کو بھی نہیں

اسی اون نے چند چلائی دوستوں کو اور علیان نے کارل کو۔

”تمہیں کس نے بتایا کہ کارل بھی آرہا ہے؟“

”کارل ایک بورڈ پشت پر لٹکائے کھوم رہا ہے کہ جو اسے اپنا بہترین سوٹ دے گایا لے کر دے گا وہ اس

کے چند اہم کام کر دے گا۔ تم جانتی ہو نا اس کے اہم کاموں کا مطلب؟“

”کوئی بھی اس کی نامعقول حرکتوں سے خوش نہیں کسی سے سوٹ نہیں ملے گا۔“

”کسی سے؟ ویل پیاری ڈی کو مین مانچسٹر ٹاپ پرنس مین کی بیٹی اسے مک لارین میں بٹھا کر لے گئی

تھی خریداری کروانے سنا ہے اسے اپنے سابقہ بوائے فرینڈ کا کوئی حساب برابر کروانا ہے کارل سے۔“

شائے اچکا کر ویرا ہنسنے لگی۔ امرتھ ہنس نہ سکی۔ وہ تو یہ بھی چاہتی تھی کہ شادی

پر ویرا بھی نہ ہو، لیکن اس کے چاہنے سے کچھ نہ ہو سکا اور شادی کا روشن نکھرا نکھرا دن سب سمیت آمو جو

ہوا۔ ہیڈن پارک کی طرز کا پارک تھا جہاں شادی کا انتظام تھا۔ گھاس کا وسعت لیے پھیلا میدان تھا

جھیل تھی، جھیل پر پل تھا، پل کے اس طرف گھاس کے میدان، لمبے لمبے درخت اور پھول تھے، کہیں

کہیں پہاڑیوں کے نیلے بھی تھے۔ پل کے اس طرف سامنے ایک قدیم طرز کی عمارت تھی جس کے اندر

رات کی پارٹی کا انتظام تھا۔ پل کے اس طرف سفید گھوڑے چل قدی کر رہے تھے اور جا بجا پھیلے سوان تھے جو آسمان سے

نازل ہوتے دن کو خواب ناگ بنا رہے تھے۔ پریوں کی شنزادی مانا مہر کی بیٹی کی شادی تھی، انہیں

یہی سب چاہیے تھا۔ گلابی پھولوں سے سجے گول چبوترے کے پس منظر میں، جھیل، پل، درخت، نیلے سوان اور گھوڑے تھے اور چبوترے کے سامنے



ایک ساحر تھا۔ اس کا سحر تھا۔  
اور ایک باب محبت تھا جسے بڑھ کر بند کیا جا چکا تھا۔  
زمین پر بکھیرتی دھند رقص کنناں ہونے کے لیے  
تیار ہوئی اور پھر جھوم کر ان کے قریب آگئی۔ امرحہ نے  
چاہا کہ وہ دھند کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اس کی  
آنکھوں میں بھر دے کہ وہ کہیں جانے کا راستہ ڈھونڈ  
نہ پائے اور وہیں کھڑا رہے۔ پھر کیا حرج تھا اگر قیامت  
بھی آجائے۔

”اوہ ایم سوری!“ اس نے اس سے معذرت کی  
جبکہ دھند سے شکریہ کہا۔  
وہ آگے بڑھنے لگا اور اس کے دوپٹے میں الجھ کر گر  
گیا دھند میں اسے اس کا سفید دوپٹا کیسے نظر آسکتا تھا۔

”اے مجھے پھر سے معاف کر دو۔“ دوپٹے کا  
شکریہ جو ایک بار پھر اسے معافی مانگنے کا موقع دیا۔  
وہ جھنجھلا کر اٹھا اور ایسا کرتے اس کے بال پیشانی پر  
اور پھیل گئے اور اس پر سے نظریں ہٹانے کے لیے  
ارادے مضبوط کرنے لگے۔

”تم اتنا غصہ کیوں کرنے لگے ہو عالیان؟“ دوپٹا  
سنجھالنے کے بجائے اس نے اور پھیلا دیا کہ وہ پھر سے  
گر جائے۔

”تم اتنا غصہ کیوں دلاتی ہو؟“ اس نے غصے سے کہہ  
کر آگے بڑھ جانا چاہا۔

”سرد ملک میں رہ کر تم اتنی جلدی گرم کیوں  
ہو جاتے ہو؟“ وہ جلدی سے اس کے سامنے آئی۔  
عالیان کے پاس کئی جواب ہوں گے، لیکن اس نے  
اسے ایک بھی دینا ضروری نہ سمجھا۔

”اگر تم میری تھوڑی سی مدد کرو اور مجھے کسی ایک  
سفید گھوڑے پر بٹھا دو۔“ چوڑی پاجامہ اونچی ہیل اور  
کانوں میں بندے پنے امرحہ وہاں گھوڑے پر بیٹھنے آئی  
تھی۔

”اگر تم گھوڑے کی لگام پکڑ لو گے تو مجھے گھوڑے  
سے ڈر نہیں لگے گا۔“ وہ اسے بتا رہی تھی کہ اس کا  
عالیان کا اور گھوڑے کا ایک ساتھ ہونا کس قدر

دو اطراف نشستیں۔ امرحہ نے گلابی چوڑی دار پر  
سفید کاپڑا دوپٹہ لپا تھا، ویرا اور این اون شارلٹ کے  
ساتھ تھیں وہ باہر آگئی، مہمان آرہے تھے اور تقریب  
شروع ہونے میں کچھ وقت تھا۔ سفید گھوڑوں اور  
سوان کو دیکھنے کے لیے وہ پھولوں سے سجے پل سے  
جھیل کے اس طرف چلی گئی۔ اس طرف سے دھند  
بہت چھوڑی جا رہی تھی تاکہ تقریب کے آغاز سے  
پہلے قدرتی شکل اختیار کر لے۔

ابھی اس نے پل کے اس طرف پیر رکھا ہی تھا کہ  
مشین سے مصنوعی دھند کا ایک اور ریلا چھوڑا گیا۔  
پہلے ہی اتنی دھند چھوڑی گئی تھی کہ مزید چھوڑ دی گئی،

ہاتھ کا پتکھا بناتی وہ دھند ہٹانے لگی کہ اس کا ہاتھ تھپڑ  
کی صورت انسانی کھال سے نکلا۔

وہ انسانی کھال عالیان کی تھی۔ وہ اس کے عین  
سامنے کھڑا تھا۔ اس کے گال سے اس کا ہاتھ چھو رہا تھا۔  
اگر ان کے درمیان آنے والے اس پل کو کھینچ کر  
لسبا کر دیا جائے تو اس دوران کچھ یہ ہوا کہ اس نے  
عالیان کو دیکھا، اس کی سرد مہر، لیکن دنیا میں سب سے  
خوب صورت آنکھوں میں سے دو آنکھوں کو بجن میں  
دیکھنے کے بعد نہ دیکھنے کا راستہ نہیں ملتا تھا بجن کی  
چمک چکا چوند میں بھی مدھم نہیں پڑتی، جو مینائی رکھنے  
کے علاوہ بھی کئی کمالات رکھتی ہیں بجن سے مل کر  
چمکڑا نہیں جاتا، پھر پیشانی پر گرتے اس کے بھورے  
بالوں اور ان کے نیچے تنی بھنوں کو، پھر چند دنوں کی  
بڑھی شیو کو اور پھر ”عالیان“ کو جس کے وجود سے  
شناسائی کی جھلک ابھر کر معدوم ہو چکی تھی اور اس کے  
ارد گرد پھیلی دھند کو، اس دھند میں دھند لے نظر آتے  
درختوں، پھولوں، سفید گھوڑوں اور سوان کو۔

”ہاں وہ ایک شہزادہ ہی تھا۔ بلاشبہ۔“

لیکن وہ سنڈریلا نہیں تھی وہ اس کا جوتا لے کر آیا  
تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھوڑے پر بٹھانے۔  
وہ ایک لمحہ تھا۔ وہاں ایک امرحہ تھی اور ایک  
عالیان تھا۔



”میں اپنی فکر کرنے کے لیے خود ہی کافی ہوں۔“  
اس کی آواز تیز ہو گئی۔

”میں جانتی ہوں۔ تمہیں خود پر ناز ہے۔“ امرحہ  
اس کی تیز آواز سے گھبرا گئی، لیکن کیے بغیر وہ نہیں  
سکی کیوں کہ وہ بات کو طول دینا چاہتی تھی۔

”ہاں اتنا تو ضرور ہے کہ میں تم جیسا نہیں ہوں۔“  
امرحہ کی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے انداز میں دیکھ کر  
اس نے کہا۔

امرحہ کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی  
”جب تم مشرق کا سفر کرو گے تو تم پر بہت سے راز کھلیں  
گے۔“

”مجھے ایسے خطے کا سفر نہیں کرنا جہاں رازوں اور  
روایتوں کا احترام انسانوں سے برہہ کر کیا جاتا ہے۔“

امرحہ لاجواب ہو گئی وہ آگے برہہ گیا اور وہ اس کی  
پشت سے چلائی۔

”جب تم بوڑھے ہو جاؤ گے تو تم ضرور  
پچھتاؤ گے۔ تمہیں گھوڑے پر بیٹھنے میں میری مدد  
کر دینی چاہیے تھی۔“

امرحہ جھیل میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتی  
رہی۔ جھیل خوب صورت تھی۔ اس پر تنا آسمان یا  
اس میں جھللاتا اس کا عکس۔

اس کی نظروں نے اس کے عکس کے حق میں فیصلہ  
دیا۔

پل پر سے گزرتے عالیاں نے برائے نام گردن موڑ  
کر اس کی طرف دیکھا اور ایسا کرنے پر اسے افسوس  
ہوا کیوں کہ اس نے خود کے ساتھ کیے عہد کو توڑ دیا  
تھا۔

امرحہ اسے جالتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ایک پل  
ان کے درمیان بھی تھا۔ وہ اس اور اس طرف تھے۔  
اب وہ جہاں ہوا کرتی ہے وہ وہاں سے چلا جایا کرتا ہے  
اس نے خود کو متبادل لیا ہے اور اسے اس پر افسوس بھی  
نہیں۔

امرحہ نے اپنا دوپٹا سنبھالا اور اس طرف آنے لگی

ضروری ہے۔  
چچ کی شکل بنانا، تاسف سے سر ہلاتا وہ پھر سے  
آگے جانے لگا۔

”چلو تم گھوڑے پر بیٹھ جاؤ اور میں لگام پکڑ لوں  
گی۔ اب خوش۔ چلو اب مسکراؤ۔“

وہ پھر سے اس کے سامنے آئی جلدی سے۔  
”ان گھوڑوں پر لگام اور زین نہیں ہے، انہیں  
تمہاری سواری کے لیے یہاں نہیں لایا گیا۔“ وہ جواب  
دیے بغیر رہ نہیں سکا۔

”اچھا۔۔۔ زین اور لگام کیوں نہیں ہے؟“  
”وہ تم گھوڑوں سے جا کر پوچھ لو۔“  
”چلو ہم دونوں چل کر پوچھ لیتے ہیں، ویسے بھی مجھے  
گھوڑوں کی زبان نہیں آتی۔“

”تمہیں تو انسانوں کی زبان بھی نہیں آتی۔“ اس  
نے گہرے انداز سے کہا۔

اس کی آنکھوں کی ماند پڑتی چمک سے امرحہ افسردہ  
ہو گئی۔

”تم پہلے والے عالیاں کیوں نہیں بن جاتے؟“  
”تمہیں خاموش رہنا سیکھنا چاہیے۔۔۔ ورنہ دور  
رہنا۔“

”تم سکھاؤ یہ سب۔۔۔“  
”تم تو خود ایک استاد ہو امرحہ، جو سبق تم دیتی ہو، وہ  
کوئی اور نہیں دے سکتا۔“

”ہو سکتا ہے میرے پلو سے یہ سبق باندھ دیے  
گئے ہوں۔“

”مجھے یہ سب جاننے میں دلچسپی نہیں۔“  
”تمہیں اپنے بال تراشنے چاہیے تھے، تمہارے  
بالوں کی نوکیں تمہاری آنکھوں کو پریشان کر رہی  
ہیں۔“

غیر ارادی طور پر اس نے اپنے بال پیشانی سے  
اٹھائے اور امرحہ مسکرا دی جس پر وہ اور خفا سا ہو گیا۔  
”میں نے تو صرف اس لیے کہا کہ تمہارے بالوں  
سے زیادہ مجھے تمہاری آنکھوں کی فکر ہے۔“



تھا کہ سانس کھٹنے لگا۔ وہ ایک شادی میں شریک ہونے سے زیادہ کسی نیلامی میں شریک ہوئے لگتے تھے جہاں وہ اپنے رتبے کی بولی سننے آئے ہوں۔

شادی کی رسم شروع ہو گئی اور جب انگوٹھی پہنانے کی باری آئی اور وہ لہانے اپنے شہ پالے کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ انگوٹھی اسے دی جائے تو شہ پالے نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کر دیں۔  
”انگوٹھی تو نہیں ہے۔“ رائیل نے ہاتھ اٹھا لیے۔

”تم دیکھو شاید تمہارے پاس ہو۔“ اس نے دوسرے شہ پالے سے کہا۔

اس نے بھی اپنی جیبیں ٹٹولیں اور ہاتھ اٹھا دیے۔  
”میرے پاس بھی نہیں ہے۔“

دونوں نے یہ حرکت کرتے کافی وقت لیا تھا پادری بے زاری سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”تم دیکھو شاید تمہارے پاس ہو؟“ دوسرے شہ پالے نے تیسرے سے کہا۔

تیسرے نے بھی خود کو ٹٹولا اور اس بار جوڑن کے انکل سے کہا۔

”آپ کے پاس تو نہیں انکل۔! میرے پاس بھی نہیں ہے۔“

انکل نے بھی اپنا کوٹ کھٹکالا اور ساتھ بیٹھی آنٹی جو لیا سے یہی کہا۔ آنٹی جو لیا نے اپنا پاؤچ اور ہاتھوں کی انگوٹھیاں دیکھیں اور اگلی خاتون سے کہا ”آپ کے پاس ہو شاید“ اگلی خاتون نے بھی کم و بیش یہی کہا اور اپنے سے اگلے کی طرف اشارہ کر دیا۔ آگے سے آگے قطار در قطار وہ اپنے سے آگے بیٹھے کو اشارے کرنے لگے۔

پادری صاحب حد سے زیادہ بے زار ہو چکے تھے، دلہن رو دینے کو ہو رہی تھی۔ لیڈی مہراپنی نم آنکھیں چھپا رہی تھیں۔

”یہ لوگ واقعی شارلٹ کو پسند نہیں کرتے۔“  
آدھ کھٹنے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ ان کی

جہاں وہ شخص کھڑا ہو گا جو آج اہتمام سے تیار ہو کر آتا بھول گیا تھا اور جس نے ٹائی باندھنے کا تردد بھی نہیں کیا تھا جسے تقریب میں آنے کی جلدی نہیں رہی ہوگی اور کان میں سرگوشی کرنے کی بھی۔

”مجھے بتایا جائے کیا دلہن صرف سفید لباس والی ہے۔ اچھا۔ اور سفید دوپٹے والی؟“

\*\*\*

شارلٹ کی شہ بالیاں اس بار صرف دو تھیں، شارلٹ کی دوست اور ویرا، امرجہ کو کہا گیا تھا، لیکن اس نے اور ساوھنا نے انکار کر دیا، جوڑن کے خاندان کی نازک مزاجی نے انہیں برہم کر دیا تھا۔ انہیں ان سب کی نظروں میں آنے کی خواہش نہیں تھی۔

شارلٹ دلہن بن کر آئی تو امرجہ نے دیکھا کہ دلہن کے بعد سب نے جس چہرے کو دیر تک دیکھا، وہ ویرا کا

تھا اس نے ہلکا ارغوانی آف شولڈر فراک پہنا تھا اور وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اگر بلیک آؤٹ کے دنوں میں اسے کسی عمارت کی چوٹی پر بٹھا دیا جاتا تو وہ آدھے شہر کو اپنے حسن کی چکاچوند سے منور کر دیتی۔

”ویرا نے اتنی خوب صورتی کا کیا کرنا ہے؟“ امرجہ نے دیکھا کہ دور کھڑے عالیان نے بھی ویرا کو دیکھا اور امرجہ یہ سوچے بتا رہے نہیں سکی۔

”اگر ویرا صحرائے گوبی کی طرف کا سفر اختیار کر لے اور صحرا میں بھٹک جائے اور یہاں سے یہاں۔“ امرجہ ایسے یہ بدو عادیے بغیر نہیں رہ سکی وہ یہ کرنے پر مجبور تھی۔

دو خاندان ایک جگہ موجود ہو کر بھی کیسے الگ الگ رہتے ہیں یہ شارلٹ اور جوڑن کی شادی میں دیکھا جاسکتا تھا۔ تاؤ موجود تھا اور خوشی کے بجائے گھبراہٹ ہو رہی تھی وہ سب آپس میں دھیمی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے اور مسکرانے میں اس قدر کنجوسی کر رہے تھے کہ کہیں ان کی مسکراہٹوں کا غلط مطلب نہ نکال لیا جائے۔ ان کے بیش قیمت لباس، زیورات ان کے ہاتھوں کی حرکات، ان کے لبوں کا وہ ناپکچہ ایسا



دوران اس پاگل نے سر سے ہاتھ اوپر اٹھا کر ہاسٹل سے فائر کیا۔

”فریز۔ کسی نے ہل برابر بھی جنبش کی تو میں اسے گولی مار دوں گا۔“ فائر کی آواز سے سہم کر چیخوں سے گونجنا ہل سناٹے سے بھر گیا۔

”تم میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتی ہو شارلٹ؟“ وہ چلایا اور ہاسٹل کا رخ جو روڈن کی طرف کر دیا۔ ”تم شادی کر رہی ہو۔ تم شارلٹ۔ تم۔ یہ سب۔“

شارلٹ بری طرح سے سہم گئی اور جو روڈن تو تھا ہی ایکٹروہ ایسے سما کہ ذرا دور کھڑی اس کی ماں سے دل کا دورہ چند انچ کے فاصلے سے گزرا۔

”یہ پاگل خانے سے کیسے بھاگا۔“ ہل میں سے کسی کی آواز ابھری اور وہ خود بھی۔ وہ سائی تھا جو اس پاگل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”نی جگہ پرواپس چلے جاؤ ورنہ مجھے اپنے اس ہاتھ کی انگلی کو زحمت دینی پڑے گی۔“ اس نے شرٹ کے اندر سے دوسرا ہاسٹل والا ہاتھ نکال کر اور اس کی طرف

تان کر کہا پہلا ہاسٹل بدستور جو روڈن پر تہا تھا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے سیک۔“ سائی قریب جاتے چلایا۔

امرحہ نے حیرت سے سائی کو دیکھا بھلا اس کا کیا کام؟ یہ تو شارلٹ کو جانتا بھی نہیں تھا اور اس پاگل نے اپنی انگلی کو زحمت دے دی اور فائر کر دیا۔ گولی سائی کے بازو میں لگی اور خون کی دھار اس کے بدن سے پھوٹی وہ وہیں گر گیا۔

”سائی!“ امرحہ نے چیخ مار دی اور اس کی طرف لپکنے لگی کہ ویرانے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔

”ہمیشہ گڑبڑ کرتی ہو، بیٹھ جاؤ ورنہ تمہیں تو وہ شوق سے گولی مارے گا۔“ ویرانے ایک ہاتھ اس کی کمر میں دیا اور ایک اس کے منہ پر رکھا اور اس کے کان میں کہا۔

”میں نے کمانا کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔“ وہ حلق کے بل دھاڑا۔

تلاشیاں ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں اور پھر آخر کار جب ان کے ایک ایک بوڑھے، عورت، مرد، لڑکے، لڑکی اور بچے نے خود کو کھنگال ڈالا اور کوئی ایک بھی نہ بچا تو وہ۔

”انگوٹھی نہیں ہے۔ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔“ وہ ایک آواز چلائے۔

سکوت چھا گیا۔ تناؤ اور بو جھل پن اور بڑھ گیا۔ شہرہ بالے رائیل نے چھینک ماری اور انگوٹھی اس کے منہ سے نکل کر باہر گری اسے اٹھا کر اس نے دو لہا کو دی۔

شادی کی رسم ہو گئی۔ لیڈی مہر کے چہرے کے سارے رنگ اڑتے ہی رہے۔

شادی میں ہنسی مذاق، شرارت معمول کا حصہ ہیں، لیکن اس مذاق پر ہنسکے غالب تھے۔ انہیں شارلٹ کے ساتھ یہ سلوک پسند نہیں آیا تھا۔ عالیان انہیں لے کر ذرا دور چلا گیا اور جب واپس لایا تو وہ مسکرا رہی تھیں۔

رات کی تقریب قلعے کے اندر وسیع ہال میں تھی جسے سفید اور بنفشی رنگوں کے امتزاج سے خواب ناک بنایا گیا تھا جیسے کسی قدم شہزادی کی خوشیوں کے نام جام لہرائے جا رہے ہوں۔ کارل اور عالیان شادی کی تقریب کے دوران سے ہی غائب تھے۔ اسے ان دونوں کے غائب ہو جانے کی سمجھ نہیں آئی، بلکہ کارل تو ایسے تیار ہو کر آیا تھا جیسے اسی کی شادی ہو۔ امرحہ کو کارل کے جانے کی خوشی تھی۔ اس نے سادھنا اور این اون کے ساتھ انگلش طرز پر گول گول گھومنے کی کوشش بھی کی تھی۔

ابھی کیک نہیں کاٹا گیا تھا۔ شارلٹ کافی مر جھائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ بہر حال کیک کی ٹرائی لائی گئی اور اس سے پہلے کہ وہ دونوں کیک کاٹتے ہال کا دروازہ دہشت ناک انداز سے کھلا اور ایک پاگل دیوانہ شخص بھاگتا ہوا شارلٹ کی طرف آیا، جسے دیکھتے ہی شارلٹ نے چیخ مار دی اور اتنی شدت سے ماری کہ ہال کا ماحول جلد ہو گیا اور سب اسے دیکھنے لگے اور تھیک اسی



WWW.PAKSOCIETY.COM

پاگل نظر آتا ایک ڈاکٹر جس کی آنکھوں بہت بڑا چشمہ تھا۔

”میک۔ چھوڑ دو اسے۔ ہمارے ساتھ واپس چلو۔“ ڈاکٹر ذرا دور سے محتاط انداز میں چلایا۔ ہال والوں کی نظریں اب ڈاکٹر پر تھیں۔

”مجھے پاگل سمجھا ہے کیا؟“ اس نے جنونی قہقہہ لگا لیا اور ہسپتال کا رخ ڈاکٹر کی طرف کر دیا۔ ”حساب کتاب تو تم سے بھی پالتی ہیں میرے۔“

”تم یہ نہیں کر سکتے۔“ میک یعنی پاگل کو اور بھڑکایا۔

”میں یہ ضرور کروں گا۔“ چھل اچھل کر وہ چلانے لگا۔ اسے دیکھ دیکھ کر خوف اور بڑھنے لگا اور اس وقت خوف سے دم ہی نکل گیا جب ڈاکٹر نے اچھلتے میک کو

غافل سمجھ کر اس پر قابو پانے کے لیے ایک دم سے حملہ کر دیا۔ حملے کی صورت دو فائر فوری ہوئے ہال خواتین کی چیخوں سے گونج اٹھا بجن میں سب سے نمایاں چیخ جو روڈن کی بلما کی تھی۔ فائر کے ساتھ ہی ہال کی لائٹس جھجھ گئی۔ لوگوں کے اٹھنے، گرنے، بھاگنے کی آوازیں بھی آئیں اور جو روڈن کے کراہنے اور ماما جو روڈن کے چلانے کی بھی۔

ایک منٹ سے بھی کم وقت میں یہ ہوا۔ اتنی چیخ و پکار پر بھی لائٹس آن نہ کی گئی اور جب لائٹس آن ہوئیں تو میک کے پاس نہ مرہ دولہا تھا نہ دلہن اور اس کا پاگل خانے سے بھاگا بوائے فریڈ اور نہ ہی اس کا پاگل کا ڈاکٹر۔

وہ سب غائب تھے۔ وہ سب کہاں تھے۔ ہال میں نظریں گردش کر رہی تھیں۔

ہال میں آرکسٹرانے دھن چھیڑی اور اونچی چھت تلے بنے۔ وسیع گول دائرے نما اندھیرے ڈالس فلور راسپاٹ لائٹ روشن ہوئی اور روشنی چلتی چلتی ایک جگہ پر آکر رک گئی، دلہا اور دلہن پر۔ جو روڈن نے ہاتھ اوپر اٹھایا جسے دلہن نے قہقہہ لگا لیا اور گول گول مٹھونے لگی۔

اس کا حلیہ ہی ایسا تھا کہ ہال میں سب دبک گئے۔ سکوت چھا گیا۔

ذرا دور سے امبولینس کے سائرن کی آوازیں آنے لگیں اور پولیس گئے بھی۔ یعنی ان کے بچاؤ کے لیے لوگ آ رہے تھے۔ جلد ہی شارلٹ کے سابقہ پاگل عاشق کو پکڑ کر لے جائیں گے۔

”تم تو مجھ سے پیار کرتی تھیں شارلٹ اور شادی۔ شادی۔۔۔ وہ کس سے کر رہی ہو؟“ ہسپتال کا رخ جو روڈن کی طرف رکھ کر وہ اچھل اچھل کر چلایا، اتنی اونچی آواز میں کہ ان کے کانوں کے پردے مل گئے اور خوف سے آنکھیں بند کر لینے کوئی چاہا۔

”سائی!“ مرحہ اس دوران سسک رہی تھی۔

”میری جگہ تم کسی اور کو لے آئیں۔“ اس نے قہقہہ لگایا۔

”ٹھیک ہے میں اپنی جگہ خالی کروالیتا ہوں۔“ اس نے جو روڈن کی کپٹی پر ہسپتال رکھی۔ جو روڈن کی ماما اور چند دوسری خواتین کی چیخیں نکل گئیں جس کے جواب میں اس پاگل نے ہسپتال کا رخ ان کی طرف کر کے ہوائی فائر کر دیا۔

”کوئی آواز نہیں۔“ وہیں ان کی آواز بند بلکہ گم سی ہو گئی۔

”چلو شارلٹ میرے ساتھ۔“

”میری شادی ہو چکی ہے میک۔! جو روڈن میرا شوہر ہے۔“

”جو روڈن تمہارا شوہر تھا۔ یہ ابھی مرہ ہونے جا رہا ہے۔“ اس نے تھا کو لبا کھینچ کر کہا۔

”مجھے تم سے نفرت ہے۔ میں تمہارے جیسے پاگل انسان کے ساتھ ایک منٹ کے لیے نہیں رہ سکتی۔ سائیکو۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔“

”مجھے اس سے نفرت ہے میں ایک اور منٹ اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔“

ہال کے اندر بھاگتے ہوئے تین چار لوگ آئے، حلیے سے وہ اسپتال کے ملازم لگتے تھے اور پاگلوں کا



سے سنو عالیان! اگر میری جگہ کوئی تمہیں ملتی تو تم دیکھتے کہ ہل امرجہ کی چیخوں سے گونج اٹھتا اور تم یہ بھی دیکھتے کہ۔“

”یہ تمہارا وہم ہے۔ مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں نہ پانی ہے مجھے۔“

”تم سائی پروہم کا الزام نہیں لگا سکتے۔“  
”ٹھیک ہے لیکن اب میں اس سے آگے نکل آیا ہوں۔“

”پلٹ کر دیکھو، کسے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور یاد رکھنا ہمیں صرف یہ گمان ہی ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھ آئے ہیں۔ صرف گمان۔ میں چاہتا ہوں اس گمان کے غلط ثابت ہونے سے پہلے تم خود ہی اسے غلط ثابت کرو۔“

”سائی ہم خود کو کتنی بھی بلندی پر کھڑا کر لیں، کچھ لوگوں کے لیے ہم ہمیشہ پستیوں کے پاس ہی رہتے ہیں، ان دیکھے سیاہ دائرے جو ہمارے گرد گھمبج بیٹے جاتے ہیں، ہمیں نظر آئیں نہ آئیں ان لوگوں کی نظروں سے اوچھل نہیں ہوتے۔“

”میں اختلاف نہیں کروں گا تم سے۔“  
”تم میں یہ خوبی ہے سائی کہ تم ہر بات کو جلد سمجھ جاتے ہو۔“

”عالیان میں بات کو نہیں جس حالت میں وہ بات کی جاتی ہے جس سے سمجھ جاتا ہوں۔ اور تم سے بھی یہی کہوں گا اس حالت کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو جس میں ناپسندیدہ باتیں کی جاتی ہیں۔“

”میرا خیال ہے، ہمیں سب چھوڑ دینا چاہیے اور پرسکون ہو جانا چاہیے۔ کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں کوئی اور بات کروں؟“

سائی نے ٹھنڈا سانس لیا۔ ”تم چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ کرو کوئی اور بات۔“

”کیا تم نے کبھی کسی کا انتظار کیا ہے کہ وہ تمہارے پاس آئے اور تم اسے سنو۔“

”بہت سے ہیں اور ان میں سے ایک کارل ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں وہ کبھی میرے پاس نہیں آئے۔“

دوسری اسپاٹ لائٹ چلتی دو اور لوگوں پر اگر رک گئی۔ پاگل کارل اور ڈاکٹر عالیان پر۔ انہوں نے سر کو جھکا کر داد دینی چاہی اور دو لہا، دلہن کی نقل اتارتے گول گول گھومنے لگے۔ رکے ہوئے سانس، تنفر سے بحال کیے گئے۔ انہیں گمان تک نہیں ہوا تھا کہ یہ کیا ہوا ہے۔

دلہن والوں اور دلہا کے صرف مردوں نے کھڑے ہو کر تالیاں بجا بجا کر ہال سر پر اٹھالیا۔ کارل اور عالیان ویڈنگ پرائیکٹر (مذاق) نے میدان مار لیا تھا۔ کچھ کو تو مار ہی ڈالا تھا۔

امرجہ بھی کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہی تھی آج اسے کارل اچھا لگا تھا۔ ویرانے اس کے کان میں سب بتا دیا تھا صرف چند گھنٹوں میں سب پلان کیا گیا تھا، شارٹ اور جوڑن بھی ان کے ساتھ تھے۔ کارل اور عالیان کا گیٹ اپ ایسا تھا کہ امرجہ نے انہیں بہت دیر میں پہچانا۔ ان کی برقرار منس لاجواب تھی۔ پاٹلوں سے بڑھ کر کارل پاگل لگ رہا تھا۔

تو اسی لیے ہر چار میں سے تیسرے کو کارل ہونا چاہیے۔ ہر تین میں سے دو سرے کو اور ہر دو میں سے پہلے میں تھوڑا کارل ضرور ہونا چاہیے۔ کیونکہ کبھی کبھی یہ بہت ضروری ہو۔

\*\*\*

”مجھے اچھا لگا امرجہ نے میرے لیے اتنی دروناک چیخ ماری۔“

”مجھے تو یہ کتنے لگا تھا کہ پرائیکٹر مذاق الٹا ہمارے گلے ہی پڑ جائے گا۔ خواتین کی چیخوں کی حالت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔“

”میں دیکھ رہا ہوں کہ بات بدلنے میں تم کافی ماہر ہو چکے ہو۔“

”تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے کہ مجھے بات بدلنی پڑے یا جس کا میں جواب دینا نہ چاہوں۔“

”عالیان! میں اچھا برا سب سنتا ہوں لیکن صرف وہ کہنے کی کوشش کرنا ہوں جو ٹھیک ہو۔ میری بات غور



”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سائیکل اچھی چلا سکتی ہو۔“

ایک ریس ہو جائے؟“

امرحہ کو اس کی بات پر ہنسی آئی لیکن وہ ہنسی نہیں  
خجیدگی سے آگے آگے چلتی رہی وہ ساتھ آنے سے  
باز نہ رہا۔

”تم مجھے نظر انداز کر رہی ہو۔ چلو میں تمہاری اس  
حرکت کو نظر انداز کرتا ہوں۔ سنو چند سالوں بعد میں  
میر بن جاؤں گا پھر بہت جلد ہی وزیراعظم پھر میرا ارادہ  
تیسری عالمی جنگ شروع کروانے کا ہے تاکہ تم جیسے  
بے کار اور ڈرپوک لوگ ختم ہو جائیں تم سمجھ ہی رہی  
ہو گی کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں کہ مجھ جیسی عالمی  
شخصیت جس پر کئی ہزار کتابیں لکھی جا رہی ہوں  
کی۔“

”اور جو کئی ملکوں کی پولیس اور فوج کو مطلوب  
ہو گا۔“ امرحہ نے معصومیت سے اس کی بات مکمل

کی۔

”تمہیں مجھے تو کتنا نہیں چاہیے تھا لیکن میں  
تمہیں اس حرکت پر معاف کرتا ہوں۔ تو مجھ جیسی بے  
مثال شخصیت سے ہار جانا بھی بہت زیادہ قابل فخر  
ہو گا۔“

”مہربانی میں تم اس فخر کو حاصل کرنے کا اعزاز  
دوسروں کو کیوں نہیں دیتے۔“

”میں اپنے مقابلے میں عام لوگوں کو نہیں لاتا اس  
پر خوش ہو جاؤ کہ تم خاص ہو۔“

”تم اور عالیاں ایک ریس کیوں نہیں لگاتے۔ میں  
عالیاں پر بیٹ لگانا چاہتی ہوں۔“

”تم عالیاں کی سپورٹر ہو۔ آئی سی۔“

”بالکل۔“

”پہلے بھی؟“

”ہمیشہ رہوں گی۔“

”بے چارے عالیاں۔“

”دی گریت عالیاں۔“ اس نے گردن کو فخریہ اٹھا کر

کہا کہ کارل دیکھتا ہی رہ گیا۔

گا۔“

”ہاں وہ کبھی نہیں آئے گا وہ خود پر یہ نوبت ہی نہیں  
لائے گا“ جانتے ہو وہ اپنا اتنا بڑا مداح ہے کہ اپنے  
کمرے میں لگے شیطان کے پوسٹر کے پاس کھڑا ہو کر  
کہہ رہا تھا۔ ”کارل کے بعد میں تمہاری ذہانت کا مداح  
ہوں۔“

”شیطان کہتا ہو گا“ خود سے پہلے میں بھی تمہارا ہی  
مداح ہوں جناب کارل!“ کہہ کر سائی اور عالیاں دیر  
تک بچوں کی طرح ہنستے رہے۔

جناب کارل کہیں اور دل ہی دل میں قہقہے لگا رہے  
تھے۔

”مین! تم بیٹھے بیٹھے اتنی موٹی کیسے ہو گئیں؟ ایک  
دم سے اسے سائیکل وزن لگنے لگی تھی۔

”موٹی نہیں سوٹا۔“ نیلی آنکھوں کو مشکا کر وہ  
مسکرایا۔

اپنے خدشے کے سچ ہو جانے کے خوف سے اس  
نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے کارل بیٹھا تھا اور  
این ذرا دور کھڑی دانت نکال رہی تھی۔

”دیکھا ہوا امرحہ چلاؤ نا سائیکل۔“

کھڑے ہو کر اس نے سائیکل کو جھٹکا دیا کہ وہ گر  
جائے بھلا وہ کوئی عالیاں تھا جو جھٹ سے گر جاتا۔ وہ  
آرام سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”مگر تم مجھے اپنی سائیکل کے پیچھے بٹھالو تو میں اس  
وقت تک بیٹھا رہ سکتا ہوں جب تک پاکستان نہ  
آجائے۔ حتیٰ کہ چاند تک لے جانا چاہو تو بھی۔“

”میں تمہیں اس وقت تک ضرور بٹھائے رکھ  
سکتی ہوں جب تک جہنم نہ آجائے۔“

”ٹھیک ہے اپنے ٹھکانے تک لے چلو۔ آگے  
جنت تک میں پیدل چلا جاؤں گا۔“

امرحہ پیدل ہی سائیکل لے کر آگے آگے چلنے لگی  
اس کے ہوتے وہ اسے چلانے کی غلطی نہیں کرنا چاہتی  
تھی کہ اسے ایسے گرا دے کہ وہ بستر سے ہی نہ اٹھ  
پائے۔



”وہ ورلڈ بینک کا صدر اور کسی یونیورسٹی کا چانسلر ہی کیوں نہ ہو۔“  
”تو تم فیصلے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہو؟“  
دادا کا انداز ایسے سنجیدہ ہو گیا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا ہو گا۔

دونوں کے درمیان سکوت چھا گیا جس سے دادا کے خدشات کی تصدیق ہوئی۔  
”ٹھیک ہے، لیکن مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔“  
”میں صرف ہاں ناں کا اختیار استعمال کر رہی ہوں۔“

”میں تمہاری ناں سے بھی واقف ہوں اور ہاں سے بھی انجان نہیں، مجھے پاگل مت بناؤ۔“

”تو آپ چاہتے ہیں میں خود کو پاگل کر لوں۔“ وہ چیخ کر بولی۔

ایک بار پھر سکوت دونوں کے درمیان تن گیا۔ دادا اس کے انداز پر دنگ رہ گئے۔

”کون ہے وہ امرجہ؟ پاکستانی، امریکی، مصری، روسی، برطانوی کون ہے وہ؟ مسلم، غیر مسلم۔ جو کوئی بھی ہے مجھے بتانے لگو تو اس کا حسب نسب ہاتھ میں رکھ کر بیٹھنا، تمہیں ملک سے باہر پڑھنے کی اجازت دی تھی، بغاوت کی نہیں، جانتی ہونا تم سے متعلق سب مجھ سے سوال کرتے ہیں یہ بھی جان لو تم سے پہلے انگلیاں مجھ پر اٹھیں گی۔“ دادا کا انداز بھی تیز تھا اور آواز بھی۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ اندر ہی اندر چیخ کر ٹوٹ گئی۔

”ڈوگری لے لو پھر بات کرتے ہیں۔“ دادا نے مزید اسے سنا گوارا ہی نہ کیا۔

”حسب نسب ہاتھ میں لے کر بیٹھنا“ کتنے ہی دن کتنی ہی بار اس نے سر کو جھٹکا، لیکن وہ اس فقرے کی گونج سے جان نہیں چھڑا سکی اس کے دل پر اس پہاڑ کا بوجھ اگر اچھے کبھی سر نہ کیا جاسکا ہو۔ پونی میں وہ عالیان کے راستے کی طرف جاتی اور پلٹ آتی۔  
”کیا فائدہ؟“ خود سے کہتی بھی اور پوچھتی بھی۔

”میں تمہیں بتاؤں کہ میں اس سے حسد رکھتا ہوں نہ اسے ہرانے کی خواہش میں اسے کئی بار ہرا چکا ہوں۔ اگر تم نے مجھے ہرا دیا تو میں تم دونوں کی دوستی کروا سکتا ہوں۔ یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ تمہیں میری قابلیت پر شک نہیں ہونا چاہیے۔“

”اس سے دوستی کرنے کے لیے مجھے تمہاری مدد نہیں لینی چاہیے۔ یہ میرے دماغ کے بائیں حصے کا مشورہ ہے۔ مجھے اس بائیں حصے کے مشورے پر شک نہیں کرنا چاہیے۔“

”ریس تو ہوگی امرجہ۔ ورنہ تمہاری بہت بے عزتی ہوگی۔“

”دیکھتے رہو خواب۔“ وہ سائیکل لے کر چلی گئی۔



دادا آج کل بہت خوش رہتے تھے جیسے وہ مل گیا ہو جس کی تلاش ہو۔ وہ پوچھتی تو ہنس کر خاموش ہو جاتے ان کے ایسے انداز کے بعد اسے بے سکولی سی رہتی وہ کلاس میں توجہ سے لیکچر سن پاتی نہ اسٹور پر ٹھیک سے کام ہو پاتا، دادا کے رویے اسے سہا دیتے، گنا کہ وہ بزنس ڈیپارٹمنٹ کی طرف جلتے جلتے پلٹ آتی۔

”میں کئی بار مل چکا ہوں اس سے اور میں بتا نہیں سکتا کہ میں کس قدر خوش ہوں میں اسے تقریباً ہر طرح سے آنا چکا ہوں ابھی میں نے گھر میں بات نہیں کی۔“

اسے پہلی بار دادا کی آواز بھری لگی اور الفاظ بد نما۔  
”آپ کو مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں دادا۔“ وہ بہت مشکل سے یہ کہہ پائی۔

وہ حیران ہوئے ”تم شرار ہی ہو تو نہیں کرتا۔“  
”بالکل نہیں بس مجھے تعلیم مکمل کرنے دیں۔“  
”شادی تمہاری ڈگری کے بعد ہی ہوگی امرجہ۔“  
”میری شادی نہیں ہوگی مجھے شادی نہیں کرنی۔“  
”شرار بہت روشن خیال اور۔“



کا اسٹوڈنٹ ہے۔ ماما پاپا دونوں ریٹورنٹ دیکھتے ہیں میں نے اپنے ریٹورنٹ میں بہت کام کیا ہے ان فیکٹ پاپا نے مجھ سے بہت کام لیا ہے۔ وہ خود بھی بہت کام کرتے ہیں اگر تم ہمارے ریٹورنٹ آؤ تو تم کسی بھی چیز کا اچھی طرح سے مشاہدہ کرنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں کر سکو گے کہ وہ کتنی پرانی ہے اور کتنے عرصے سے وہاں زیر استعمال ہے۔“

”یعنی تمہارے پاپا چیزوں کو سنبھالتے نہیں ان سے پیار کرتے ہیں؟“

”ہاں بالکل۔ ویسے وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔“

”واقعی؟“

”ہاں! وہ کہتے ہیں اچھے انسان کا دنیا میں موجود ہونا قدرت کی طرف سے انعام ہوتا ہے۔“

”میں اچھا انسان ہوں؟“ عالیان گھاس پر نرمی سے ہاتھ پھیر رہا تھا اور یہ سوال کرتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

”بالکل۔“ ویرا نے سر کو خم دے کر مسکرا کر کہا۔

”تمہیں کیا پتا؟“

”اچھے انسان کے بارے میں پتا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اپنی اچھائیوں کے سارے پتے وہ اپنی ذات میں رکھتا ہے۔“

”اگر میں اچھا ہوں تو ماما کی وجہ سے۔“

”تم یہ کیوں نہیں مانتے کہ تم اپنی وجہ سے اچھے ہو؟“

”کیونکہ میں نہیں ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ مستقبل میں تمہارا ہوٹل کھولنے کا ارادہ ہے؟“

”بھی اس کے بارے میں میں نے نہیں سوچا۔“

”گری کے بعد میں دنیا گھومنے کا ارادہ رکھتی ہوں جب سے پیدا ہوئی ہوں پڑھ ہی رہی ہوں اچھا کیا میں تمہیں وہ باتیں بتا سکتی ہوں جو مجھے تم میں اچھی لگتی ہیں؟“

”نہیں۔“

سمیٹر ختم ہونے کو تھا لیکن زندگی تو ختم نہیں ہو رہی تھی نا۔ اور پھر ایسے لوگوں کی زندگی ویسے بھی بہت لمبی ہو جاتی ہے جو من چاہے راستوں کی طرف جاتے بھی ہوں اور پلٹ آنے پر بھی مجبور ہوں۔ وہی لوگ جو بے اختیار ہو کر جاتے ہیں اور کسی اختیار والے کے خوف سے لوٹ آتے ہیں۔ سفر شروع کرتے ہیں نہ ختم پابند رہتے ہیں نہ آزاد۔

اس نے سیف روم میں جا کر کئی نوٹ دیواروں سے چپکالیے۔

”کاش اللہ انسان کی عظمت اور پستی اس کی پیشانی پر کندہ کر دے“ یہ میرا بندہ ہے۔“ یہ میرا بندہ نہیں ہے۔“ پھر حسب نسب خاندان ذات مذہب پر سوال نہ اٹھیں۔“

وہ کالی سیاہی سے سنہری حروف لکھتی جاتی۔

”مجھے افسوس رہے گا کہ کائنات کی بہترین چیز اٹھالینے کا اختیار میری ہتھیلیوں کو نہیں دیا گیا پھر اس نے یہ بھی لکھا کہ ”گلا چاری اور بے بسی اپنے عروج پر ہے“ میں اپنی آنکھوں کو مائل ہونے اور کانوں کو متوجہ ہونے سے روکنے سے معذور ہوں۔ سمی اور بصری حسیں میرے اختیار سے پہلے نکلیں اور پھر مجھے یاد نہ رہا کہ بھی یہ میرے حلقہ اختیار میں بھی نہیں ہیں دنیا میں کسی بھی انسان کو ٹھیک ٹھیک یہ سمجھا نہیں سکوں گی کہ اپنی ہی چیزوں کا اپنے اختیار سے نکل جانا کب ہونا شروع ہوتا ہے اور پھر اسے ختم کر دینا ناممکنات میں سے ایک ہو جاتا ہے میں ایک کمزور انسان ہوں ناممکنات کی طرف پیش قدمی کیسے کروں؟ مجھے رک جانے کا عندیہ نہ دیا جائے۔ مجھے چلتے رہنے کی نوید سنا دی جائے۔ کوئی سجدوں میں سر جھکائے اور صرف میرے لیے ہاتھ اٹھائے۔ میں یہاں وہاں پابند ہوں وہ مجھے آزاد کروالے جائے۔“

\*\*\*

”میری ایک چھوٹی بہن ہے فیشن ڈیزائننگ پڑھ رہی ہے ماسکو میں اور چھوٹا بھائی نیویارک فلم اکیڈمی



سے بلند کر دیا ہے میں روز تمہیں دو تین گھنٹے مشق کروا سکتی ہوں، صبح جلدی اٹھ جایا کرنا۔  
”کیا کہہ رہی ہو اور کس چیز کی مشق؟“  
”سائیکل کی۔“

”وہ کیوں؟“  
”کارل کو چیلنج دیا ہے نا تم نے اب کیا ریس میں ہارنا ہے؟“  
وہ کریم کافی پینے کی تیاری کر رہی تھی کہ پورا انگ گرا بیٹھی ”کس نے تم کو چیلنج دیا ہے؟“  
”تم نے کارل کو۔“

”ویل ڈن امرحہ۔“ اسی دوران آرٹ ڈیپارٹمنٹ کی شناخت اس کے پاس آئی۔  
”میں نے تم پر چند رہنمائی شرط بھی لگادی ہے۔“  
امرحہ اس کی شکل دیکھنے لگی کہ آخر یہ ہو کیا رہا

”شکر ہے کسی نے تو کارل کو ٹکڑے کا سوچا۔“  
امرحہ دیوانوں کی طرح سامنے کھڑی بنا اور قریب بیٹھی دیر کو دیکھنے لگی۔ دونوں کے ہاتھ میں کانڈ سے بنے جہاز تھے جس کے ایک طرف ”امرحہ کارل سائیکل ریس“ اور دوسری طرف وقت دن جگہ لکھی تھی اور نیچے یہ تفصیل کہ امرحہ نے کارل کو چیلنج کیا ہے اور کارل نے قبول کر لیا ہے۔

یہ جہاز یونی بھر میں خوب اڑتے پھر رہے تھے ایک امرحہ کے سر پر بھی اگر لگا دوں کارل کھڑا دانت نکال رہا تھا۔ امرحہ فوراً اس کے پیچھے لپکی تو وہ بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر وہ اسے ادھر ادھر ڈھونڈتی رہی، لیکن وہ نہیں ملا اور جب وہ پیرنچ پیرنچ کر چل رہی تھی تو وہ ایک دم سے اس کے سامنے آگیا۔

”مجھے ڈھونڈ رہی ہو؟ لو میں حاضر ہوں۔“  
”یہ کیا ہے؟“ اس نے جہاز اس کے آگے لہرایا۔  
”ہماری ریس۔ اگلے ہفتے۔ امرحہ اور کارل۔ ساتھ ساتھ۔“

”میری طرف سے ہزار ہزار جہاز اور اڑا دیونی میں مجھے فرق نہیں پڑتا۔“

”میں پھر بھی بتاؤں گی اور اس سے پہلے یہ بتانا چاہوں گی کہ جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو تم ڈیپارٹمنٹ کے کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ آنکھیں بھینکی کرنے کی مشق کر رہے تھے پھر تم دونوں زبان کو تھوڑی سے لگانے لگے، آئی مسٹ سے تمہاری زبان بہت لمبی ہے پھر تم دونوں نے کانوں کو پھڑپھڑانا شروع کر دیا، میں نے اپنی کلاس فیلو سے پوچھا کیا اسٹیکل لوگ بھی یہاں پڑھتے ہیں تو اس نے ہنس کر آنکھ مار کر تمہاری طرف دیکھ کر کہا ”یہ تو واقعی اسٹیکل ہے۔“  
ہاہاہ۔ ”چھا؟“

”ہاں اور جب کلاس میں سب اپنا تعارف کروا رہے تھے تو مجھ سے اگلی رو میں بیٹھے تم ایک ایسے پھول کی پتیاں بنا رہے تھے جو تخیل میں تو ہو سکتا ہے زمین پر نہیں۔“

”تو یہ اچھی بات ہے؟“  
”ہاں، کیونکہ تم ان چیزوں کے بارے میں بھی سوچتے ہو جو سرے سے موجود ہی نہیں ہیں تو تم ان کے بارے میں کتنا سوچتے ہو گے جو موجود ہیں۔ تم انجان رہنے والوں میں سے نہیں ہو۔“  
”لے بارے میں جان کر اچھا لگا دیرا۔ تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو۔“ عالیان مسکرا دیا۔  
”تم ایک اچھی لڑکی ہو۔“ اگر تم یہ کہتے تو مجھے اچھا لگتا۔

”تم ایک اچھی لڑکی ہو۔“  
”ہاں اب ٹھیک ہے۔“  
دیرا مزید اسے اس کی خوبیاں بتاتی کانڈ کا بنا ایک جہاز اڑتے ہوئے ان کے درمیان آکر گرا۔ اس نے اسے اٹھایا اور پڑھا۔ پہلے وہ حیران ہوئی پھر مسکرانے لگی۔

”اچھا عالیان پھر ملتے ہیں۔“ ہاتھ ہلا کر وہ چلی گئی۔  
عالیان نے جہاز اٹھا کر پڑھا ”مرحہ!“ بس اس کی نظر ہمیں ٹھہر گئی۔

دیرا ”امرحہ کے سر پر پہنچ چکی تھی“ تم نے میرا سر غر



اسن اون بھی آگئی اور جلابی مقولے ترجمہ کر کر کے سناتے لگی۔ ساتھ اس نے کھڑے کھڑے تین چار شجاعت اور بہادری سے لبالب بھری جلابی کہانیاں بھی سنا دیں۔ اس کے علاوہ سب پر جوش تھیں اور اس میں ناک تک جوش بھر دینے کو تیار تھیں۔ نشست گاہ میں رات بھر چار خواتین اسے اپنے نرغے میں لئے بیٹھی رہیں اور تب تک نہیں چھوڑا جب تک اس کا سرہاں میں نہیں مل گیا۔ صبح سب سے پہلے وہ بزنس ڈیپارٹمنٹ گئی۔ کارل اور عالیان کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ان کے قریب گئی۔

”میں ریس کے لئے تیار ہوں۔“ اس نے اس کی کہانی کے کردار کی طرح گردن کو بلند کر کے کہا اور صرف عالیان کو مسکرا کر دیکھ کر آگئی۔

”پوری یونی میں تمہیں امرہ ہی ملی تھی ریس لگانے کے لئے؟“

”ہاں۔ جیسے پوری دنیا میں تمہیں ایک وہی ملی تھی پڑپوز کرنے کے لئے۔“ کارل نے مذاق بالکل نہیں کیا تھا وہ یہ بات کہتے سنجیدہ تھے۔

\*\*\*

وہ لاہوری کے اطراف میں ٹہل رہی تھی کہ کب وہ آتا ہے اور وہ اسے آتا نظر آگیا۔ وہ جلدی سے اس کے پاس گئی۔

”ہائے عالیان کیسے ہو۔ بال کٹوا کر بڑے اچھے لگ رہے ہو، اچھا سنو ہفتے کو میری ریس ہے، تم آؤ گے؟“

وہ خاموش چلتا رہا۔ اور اچھا لگ رہا تھا ایسا کرتے۔

”کیا تم مجھے تھوڑی سی مشق کروا سکتے ہو، میں نے کارل سے اس لئے ہاں کہی، کیونکہ تم نے ایک بار کہا تھا۔“ ہار جانے والے ان لوگوں سے ہزار درجے بہتر ہوتے ہیں جو مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں کرتے۔“

جواب کے انتظار میں وہ اس کی طرف دیکھنے لگی، لیکن وہ خاموش تھا۔ دونوں ہاتھوں کو پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ بے نیاز نظر آنے کے نئے انداز ترتیب

”فرق پڑے گا تمہاری بہت بے عزتی ہوگی، ریس ضرور ہوگی۔“

”اگر میں تمہیں قتل کروں تو۔۔۔ تو تمغہ ملے گا۔“

”نہیں سلیوٹ۔۔۔ جو میں خود تمہیں دوں گا، اگر تم مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو۔۔۔ سنو امرہ، بلکہ دیکھو ڈی کو نین تم ڈر کیوں رہی ہو۔۔۔ چلو تم یہاں کھڑے کھڑے مان لو کہ آئی ایم کارل دی گریٹ۔ اور تم کارل دی گریٹ سے ڈرتی ہو۔“

”ہو نہ۔۔۔ کارل دی گریٹ۔“ کارل سے بحث فضول جان کر وہ پلٹ آئی اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی، نہ فکر کہ کارل یونی میں کیا اعلان کرتا پھر رہا ہے، وہ کیا پاگل تھی جو اس کے ساتھ ریس لگاتی۔

”چلو آؤ میں تمہیں مشق کروا دوں۔“ رات کو دیرا اسے کمرے سے لے جانے آئی۔

”پاگل ہو گئی ہو تم بھی، چار دن مجھے سائیکل چلاتے

نہیں ہوئے کہ میں ریس لگانے چل پڑوں۔ ناممکن اور مجھے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔“

”ناممکن کا سوچ کر بیٹھی ہو تو اسے ممکن کیسے کر سکتی ہو بھلا۔“

”یہ پاگل پن ہے ویرا۔“

”کرگز رویہ پاگل پن۔۔۔ پاکستانی اور ہندوستانی کافی جذباتی ہو رہے ہیں۔ تم پر شرط لگائی ہے۔ تم لوگ عجیب ہو ویسے، مقابلے میں کوئی تیسرا غیر ملکی ہو تو تم پاکستانی ہندوستانی ایک ہو جاتے ہو۔ اپنی دے تم اب پیچھے نہیں ہٹو گی۔“

”ویرا! مجھ سے تو سائیکل ہی نہیں چلے گی۔“

”میدان میں اترو گی تو دیکھنا کیسا جوش آئے گا تم میں۔“

”ہوش آئے گا تو جوش آئے گا نا۔“

سادھنا لیڈی مہر کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی ہاتھ لہرا کر تقریریں کیں کہ معمولی سی ریس ہی تو ہے۔ کون سا ولیک کی بوڑھے۔



ہو گئیں تو وہ یہ کر گزریں گی۔ تم کتنے لوگوں کو مطلوب ہو علیان۔ خیر۔ مجھے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ سینٹرز میں کوئی اینڈ انائی لڑی تھی۔ وہ جب تک رہی بہانے پٹا بنا کر تم سے ٹکرائی رہی اور یہ ٹکریں اتنی مشہور ہو گئیں کہ اسے ”لنڈا دی بل“ اور تمہیں ”عالیان دی فائٹر“ کہا جانے لگا۔ اسے دیکھتے ہی تم ادھر

ادھر ہو جایا کرتے تھے۔ پھر بھی وہ تمہیں ڈھونڈ لیتی تھی۔ ویسے اچھا ہوا وہ لڑی چلی گئی۔ میں اسے ایسی بجکانہ حرکتیں کرتے ہوئے دیکھتی تو یقیناً ”اسے سمجھا دیتی کہ ”دی بل“ آخر کتنے کسے ہیں۔

اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جو تمہارا دوست نہیں بھی ہوتا وہ بھی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کی پارٹی میں ضرور آؤ اور یہ بھی کہ ایک ڈری سہمی معصوم دل لڑی نے اس وقت تمہیں دیکھتے ہی پھڑپھڑایا تھا جب تم نے کارل سے کوئی گیم ہارنے پر اپنے سر کے بال صاف کرا لئے تھے۔ ”اپنا سر کنوا لیتے بل کیوں کنوائے۔“ اس نے تم سے یہ کہا تھا۔ ویسے وہ کچھ زیادہ ہی کہہ گئی اسے کتنا چاہئے تھا۔ ”کارل کا سر کنوا دیتے۔ اپنے بال کیوں کنوائے۔“

اور مجھے تم سے ایک شکایت بھی ہے۔ چند دن پہلے مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ پچھلے سال ہالوین پر تم اور کارل کسی اونچی عمارت پر چڑھ کر ہالوین کڈو آنے جانے والوں پر لڑھکا رہے تھے۔ مجھے تم سے یہ شکوہ ہے کہ تم نے کارل کو اوپر سے نیچے کیوں نہیں لڑھکایا۔ اگر تم یہ کر دیتے تو کتنا ثواب کماتے۔ ویسے علیان ایک اور راز کی بات بتاؤں۔ اگر میں علیان ہوتی تو فوراً ”امرحہ سے دوستی کرتی۔ اسے ٹویٹ میں چاکلیٹ کا ڈبہ دیتی۔ اور پھر یہ ٹویٹ واپس بھی نہ لیتی اور ہر روز ٹویٹ دیتی رہتی اور لینا بھول جاتی۔“ اس کے بولنے کا انداز قابل دید تھا۔ اگر میں علیان ہوتی۔

”میں باتوں میں بھٹک چکی ہوں، لیکن ایک اور بات سن لو، میں زندگی میں بہت بار فیل ہوئی ہوں۔ ایف

دے رہا تھا۔“ دیکھو مجھے تمہاری ساری باتیں یاد ہیں۔ ایک بار پھر مجھے دادو میں ہمیشہ یہ بھول جاتی ہوں کہ مجھے کس نمبر کا جوتا آئے گا، لیکن مجھے یہ یاد ہے کہ میرے اسٹور میں تمہیں کس نمبر کا جوتا فٹ آیا تھا۔ کس نمبر کا

تمہیں ذرا سائیکل تھا اور کس جوتے کو اٹھا کر تم نے کہا تھا۔ ”اتنا مہنگا جوتا۔۔۔ اگر مستقبل میں میں اتنا مہنگا جوتا لینے کا ارادہ کروں گا تو میں سمجھ جاؤں گا میرا مافی توازن کھو چکا ہے۔

اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اپنے بے کار جوتوں کے کارآمد لیسز دوسرے جوتوں میں بدل بدل کر استعمال کرتے ہو اور یہ بھی کہ تمہارے پاس ایک بند رسٹ وایچ ہے جسے تم سات دنوں میں ایک بار ضرور پہنتے ہو، وجہ میں نے جان لی ہے، تم چیزوں کو صرف اس لئے نہیں پھینک دیتے کہ وہ بے کار ہو چکی ہیں۔ تم ان سے وابستہ ہو جاتے ہو، تمہارے لئے ان سے الگ ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ تم چیزوں کے ساتھ بھی خود غرضی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ تم میرے ساتھ ایسا کچھ رحم دلی کا مظاہرہ نہیں کر رہے، لیکن فی الحال میں اسے نظر انداز کر دیتی ہوں۔“

رک کر اس نے سانس لیا اور اسے دیکھا۔ ابھی بھی وہ بولنے پر مائل نہیں تھا۔

”ایک بار پھر مجھے سراہا جانا ضروری ہے، میں نے تمہاری سائیکل کی کمائی بھی معلوم کر لی ہے۔ سائی جیسا ایک فرشتہ صفت لڑکا تمہارا دوست تھا۔ تم دونوں ایک دوسرے کی سائیکلوں کے پیچھے بیٹھ کر آیا جایا کرتے تھے۔ ڈگری لینے کے بعد جب وہ جانے لگا تو یادگار کے طور پر تمہیں اپنی سائیکل دے گیا اور تمہاری ساتھ لے گیا۔ اس نے ایک اچھا کلام یہ کیا کہ وہ یادگار کے طور پر تمہیں ہی اٹھا کر نہیں لے گیا۔ میرے ڈیپارٹمنٹ کی کچھ شرارتی لڑکیوں کا کہنا ہے کہ تمہیں اغوا کیا جانا ضروری ہو گیا ہے اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر انہیں کسی ٹائٹ رائیڈر کی خدمات حاصل



آہ۔ اس نے دل میں سوچا۔  
کھلونا گن سے فائر کیا گیا اور ریس شروع ہو گئی۔  
ساری دنیا غائب ہو گئی۔ ایک ٹریک رہ گیا اور اس پر  
دوڑتی امرتہ خاتون پاکستان کی سائیکل۔

اور کارل۔ وہ مزے سے پیڈل چلا رہا تھا۔ امرتہ  
بہت دور آگے جا چکی تھی۔ کارل کو کوئی جلدی نہیں  
تھی۔ وہ سالنے موسم کا لطف لیتا۔ سیٹی بجاتا بہت  
آہستہ سائیکل چلا رہا تھا۔ پھر امرتہ جب بہت آگے

جا چکی تو اس نے ایک دم سے رفتار پکڑی اور بجلی کی سی  
تیزی سے امرتہ کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا اور پھر  
رفتار آہستہ کر لی امرتہ پوری جان مارتی کارل کے پیچھے  
سے ذرا سی آگے نکلی اور ذرا سی دور ہوئی کہ کارل نے  
پھر رفتار پکڑی۔ بلک جھپکتے میں امرتہ سے آگے ہوا  
اور پھر رفتار آہستہ کر لی اور سیٹی بجاتے سائیکل کو واک  
کروانے لگا۔ وہ اسے عام انداز سے نہیں شلن دار  
انداز سے ہرانا چاہتا تھا۔

امرتہ اسے دیکھ رہی تھی نہ ہی اسے اس وقت  
معلوم تھا کہ کارل یہ سب کر رہا ہے۔ یہ سب اسے بعد  
میں بتایا گیا۔ وہ صرف وننگ لائن کو دیکھ رہی تھی۔  
اور پھر جب دور سے وننگ لائن نظر آئی تو ویرا کے  
کہنے کے مطابق اس نے اپنی قوت کو سو سے ضرب  
دی جو کہ دی نہ گئی۔ لیکن جتنی بھی حاصل قوت ملی۔  
اس نے سائیکل پر لگا دی۔

کارل اس سے پیچھے سیٹی بجا رہا تھا۔ اس نے اب  
ایک دم پیڈل مارا۔ اور۔ اور۔ جو خرگوش اور  
کچھوے والی کہانی میں خرگوش کے ساتھ ہوتا ہے۔  
وہی کارل کے ساتھ ہوا۔ وہ تیزی سے امرتہ کے عین  
ساتھ آیا ہی تھا کہ وہ سائیکل سے گر گیا۔ بعد ازاں اس  
کا بیان تھا کہ ایک چھترا اس کی کنپٹی سے آکر لگا تھا۔  
اس کا سر گھوم گیا تھا۔ کسی نے اس ڈراے باز کارل کی  
بات کا یقین نہیں کیا۔ سب کا ماننا تھا کہ اپنی بری حکمت  
عملی سے جب اسے اپنی ہار صاف دکھائی دینے لگی تو  
اس نے خود کو گرا لیا۔

ایس ای میں ٹاپ نہیں کر سکی۔ بی اے میں اے میں پس  
نہیں لے سکی۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ میں زندگی میں  
بڑی بے چاری، بے چاری سی رہی ہوں۔ اب میں  
چاہتی ہوں کہ تم مشق میں میرا ساتھ دو، تاکہ اگر میں  
ہاروں بھی تو ذرا قابل خیر انداز سے۔ لیکن شاید تم مجھے  
جتوانی دو۔ ہے نا۔

”ہیسٹ آف لک!“ دو قدم اس سے آگے چلتے  
عالیان نے مڑے بغیر کہا، اور چاکلیٹ نکال کر کھاتے  
لا بیری کے اندر چلا گیا۔

امرتہ واپس پلٹ آئی۔ وہ یہ محسوس نہیں کر سکی  
تھی کہ آگے آگے چلتے عالیان نے اپنی رفتار آہستہ  
کر لی تھی۔ ریک سے کتابیں نکالتا عالیان بھی لاعلم  
تھا۔ اس نے لا بیری آنے میں اتنا وقت کیوں لیا تھا۔  
ویرا کے ساتھ جی جان لگا کر مشق کرتے وہ ایک بار  
بھی ویرا کو ہرا نہیں سکی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ کارل کو تو  
کسی صورت میں ہرا پائے گی۔ لیکن ظاہر ہے مقابلہ  
اہم ہے تاکہ صرف جیت۔

”گراؤنڈ میں ان دونوں کو جاننے والے کافی  
اسٹوڈنٹس موجود تھے۔ سب کی خواہش تھی کہ کارل  
ہار جائے، جبکہ سب جانتے تھے کہ یہ ناممکن ہے۔  
ویرا اس کی کوچ اس کے کزن میں تھسی ہوئی تھی۔  
”بھول جاؤ کہ یہاں کوئی کارل یا کوئی اور موجود  
ہے۔ پوری قوت لگا کر سائیکل دوڑانا۔ پوری قوت  
لگا کر۔ بس آج تمہیں یہی کرنا ہے۔“

امرتہ نے دعا کی، بلکہ منت شنت کی کہ کتنا مزہ  
آئے اگر وہ واقعی میں جیت جائے، اگر کارل پر  
سائیکل چلانے کے دوران فلج کا حملہ ہو جائے تو کیسا  
رہے؟ یا اس کی نظروں دھندلا جائے۔ بلکہ اگر وہ ٹائیٹا ہی  
ہو جائے۔

”مگر تم نے مجھے ہرا دیا تو تم جو کہو گی میں وہ کروں گا  
مینڈکی۔“ کارل نے سائیکل اس کے برابر میں لا کر  
کہا۔

”مگر میں جیت گئی تو پتا نہیں کیا کر گزروں گی۔“



”بھاڑ میں جائے اس کی مقابلے کی حس“ میرا ریکارڈ خراب کر دیا۔“

کارل کو چڑانے کے لئے عالیاں منہ کھول کر ہنسنے لگا۔ سب ہی ہال میٹس باقاعدہ ہنس چکے تھے کہ وہ ایک لڑکی سے ہار گیا۔ وہ بھی امرجہ سے انہوں نے میوزک بار کی دیوار پر چاک سے کارل کا کارٹون بنایا تھا جو مونے مونے آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

”میں تمہارے دانت توڑ دوں گا عالیاں۔“  
”کس کس کے توڑو گے؟“ عالیاں نے دوسرے

ہال میٹس کی طرف اشارہ کیا جو کھی کھی کر رہے تھے۔ ”شروعات تم سے کرتا ہوں۔“ اس نے گلاس اٹھا کر اسے دے مارا جو عالیاں نے پیچ کر لیا۔ ”گلاس پھینکا جائے یا پیچ کیا جائے۔ ٹوٹنے کی صورت میں پیسے تم دونوں سے لوں گا۔“ کاؤنٹر بوائے چلایا۔ کارل نے ایک گلاس اسے بھی دے مارا جو وہ پیچ نہ کر سکا اور ٹوٹ گیا۔

”اب تم بھی بھرنا پیسے۔“ کارل چلایا اور تیسرا گلاس بھی اٹھالیا۔

جس کے لئے ایسے لڑا جا رہا تھا۔ وہ اگلے دن یونی محراب کے پاس اس کی کھڑی تھی جہاں پچھڑے اور بکھرے دوستوں کا ایک ٹولہ موجود تھا۔ ”دوست۔۔۔“ اگر تیز اور طاقت ور بگولہ آدمی دنیا کو اٹھائے اپنے ساتھ گول گول گھما رہا ہو تو اس بگولے کے ساتھ گول گول گھومتے بھی جو شخص آپ کی فکر میں گھل رہا ہو گا وہ آپ کا دوست ہو گا۔

وہ چار تھے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں رہتے تھے اور ہر سال ایک مخصوص دن وہاں ضرور موجود ہوتے تھے۔ وہ اٹھارہ سال پہلے یونی سے پڑھ کر نکلے تھے اور اٹھارہ سالوں سے ہر سال اس ایک دن وہاں آرہے تھے۔ محراب کے پاس اٹھارہ سال پہلے کھینچی گئی تصویر سی تصویر کھینچوانے۔ اسٹوڈنٹس ان کے گرد گھیرا بنائے کھڑے ان سے باتیں کر رہے تھے وہ اپنے پانچویں دوست کا انتظار کر رہے تھے۔

لیکن امرجہ وہ ونکلائن کے اس طرف تھی۔ ”میں سو بار پہاڑ پر چڑھا اور گر گیا اور جب میں نے پھر چڑھائی شروع کی تو پہاڑ کو اپنے سامنے جھکا ہوا پایا۔“

”میدان شتر کے پرندے میدان عمل میں گرا نہیں کرتے۔“

اور۔۔۔  
”مقابلہ دیکھنے والے کبھی یہ نہیں جان سکتے کہ جیت جانے والے کس آسمان کا سفر کر کے زمین پر پلٹتے ہیں۔“

امرجہ نے جیت کر اسٹوڈنٹس میں اس شخص کو ڈھونڈ کر دیکھنا چاہا جس کے قول پر اس نے اس ریس میں حصہ لیا تھا اور جیت بھی گئی تھی۔ اس شخص کی باتیں اسے دعا کی طرح لگتی تھیں۔ وہ خود بھی ایک دعا ہی تھا۔

\*\*\*

”وہ فائر تم نے کیا تھا؟“ کارل کو صرف عالیاں پر شک تھا۔

”مجھے کیا ضرورت تھی۔“  
”تم مجھے ہرانا چاہتے تھے۔“  
”میں کون سا خود تمہارے مقابلے پر تھا۔“  
”تم نے تو کہا تھا تمہیں ایسی بچکانہ ریس دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں پھر تم آئے کیوں؟“  
”تمہاری سپورٹ کے لئے۔“

”سپورٹ کے لئے تم آئے تھے میری نہیں۔“  
”میری ساتویں حس کہہ رہی تھی کہ وہ تم ہی تھے۔“  
”میری پہلی حس میری زبان یہ کہنا چاہتی ہے کہ بکو اس نہ کرو۔“  
”اگر وہ تم نکلے تو وہ تمہارا اس زمین پر آخری دن ہو گا۔“

”اگر وہ میں نہ نکلا تو وہ تمہاری ساتویں حس پر لعنت ملامت کا دن ہو گا۔ شاید کسی نے یہ سوچ کر ایسا کیا کہ اگر وہ ہار جاتی تو آئندہ کبھی مقابلہ نہ کر سکتی۔“



ساتھ تصویریں بنوانے لگے۔ امرحہ پر رقت سی طاری ہونے لگی۔

”وہ یہاں سے چلی جائے گی تو سالانہ تصویر کے لئے بھی نہیں آسکے گی۔ وقت گزر جائے گا۔ وہ بوڑھی ہو جائے گی۔ ویرا روس میں بزنس کر رہی ہوگی، کارل مرچکا ہو گا۔ سائی دنیا کے مفلوک الحال خطوں میں ٹرسٹ چلا رہا ہو گا اور عالیان؟“

وہ سوچوں میں ہی خاموش سی ہو گئی۔ ایک جگہ اکٹھے رہنے والے آئندہ آنے والے وقت میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ یہ تصور بہت بھاری گزرتا ہے دل پر اس کا دل بھر آیا کہ وہ رونے لگی۔

”کتنا مشکل ہوتا ہے ایک ہو کر دو ہو جانا، چار، چھ، آٹھ ہو جانا۔“

کارل نے اسے نشو دیا۔ وہ بھی پرانے اسٹوڈنٹس کے ساتھ تصویریں بنوا رہا تھا۔ امرحہ نے نشو لے لیا تو وہ حیران ہوا۔

”تم اپنے گھر والوں کو یاد کر کے رو رہی ہو؟“  
”نہیں۔ تم سب کو۔“  
”ہم سب کو؟“

”ہاں۔ ایک دن سب ختم ہو جائے گا۔ سب۔ میں پاکستان چلی جاؤں گی، ویرا روس، سائی افریقہ، این جاپان اور تم۔ تم مر چکے ہو گے۔“  
کارل کو اس سب میں صرف اپنے اکیلے کے مرنے پر افسوس ہوا۔ ”اور عالیان؟“

”وہ دنیا کے کسی گم نام خطے میں بزنس کر رہا ہو گا۔“  
”وہ بزنس کر رہا ہو گا اور میں مر چکا ہوں گا۔ تم کبھی ایک اچھا انسان ہونے کا ثبوت نہیں دے سکتیں امرحہ۔“ اس کے ہاتھ سے نشو چھین کر وہ چلا گیا اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اس قدر اداس تھی کہ اسے دیکھ کر اسے بھی اداسی ہونے لگی۔

وہ عالیان کے پاس جانے لگی، ٹھیک ہے۔ وہ بولتا نہیں۔ لیکن سنتا تو ہے نا۔ اتنا بھی کالی ہے۔ سن لینا بھی نعمت ہے۔

”یہ عالیان ہے۔“ جو ان میں سب سے زیادہ خوب صورت تھا۔ اسے امرحہ نے عالیان کا خطاب دیا۔

”یہ لمبی لڑکی ویرا۔ اور وہ نرم خو، پیاری سی گلابی گلابی لڑکی امرحہ اور وہ۔“

”وہ سائی۔“ وہ کارل کا نام لینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاروں بار بار گھڑی دیکھ رہے تھے۔ انہیں پانچویں دوست کا انتظار بہت شدت سے تھا۔  
”تو وہ آگیا۔“ ویرا چلائی۔

”اتنی دیر۔“ عالیان نے آنے والے کو سر کے بالوں سے پکڑا۔

”فلائٹ میں سیٹ نہیں مل رہی تھی۔ بہت مشکل سے ایک بڑھے کو یقین دلانے میں کامیاب ہو سکا کہ آج ہوا کا دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ پچاس سال سے اوپر والوں کو جہاز میں ہارٹ اٹیک کا جان لیوا خطرہ ہے۔ انتظامیہ یہ بات چھپا رہی ہے۔ لیکن جان کا رسک لینا بے وقوفی ہوگی۔“

”کارل!“ امرحہ نے منہ بتایا۔ وہ ریس جیت گئی تھی اور اس نے کارل سے کہا تھا۔ ”تمہارے سر اور بھنوں پر پورے ایک سال تک ایک بھی بال نہیں رہنا چاہئے۔“ اور کارل نے یونی میں موجود دوسرے کارل کو سر اور بھنوں کو صاف کر لینے پر راضی کر لیا اور اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔

”کارل نے یہ کر دکھایا۔“ اس نے دوسرے کارل کی طرف اشارہ کیا اور دانت دکھا کر چلا گیا۔

”ان پرانے دوستوں کا ٹولہ تصویر بنوانے لگا۔ اسٹوڈنٹس جن کے ہاتھوں میں ان کی پرانی تصویریں تھیں انہیں ہدایات دینے لگے۔ مسٹر مارٹن آپ کا ہاتھ مس کیوٹین کے کندھے کے اوپر ہو گا۔ ہاں ذرا سا اوپر۔ بس۔ اور مسٹر بلائر آپ کی گھڑی کلائی پر مضبوطی سے بندھی ہے۔ ڈھیلی نہیں ہے، مس لینا آپ اپنی چھنگلی کو ذرا سا کھولیں۔“

ان کی سالانہ تصویر بن گئی تو اسٹوڈنٹس ان کے



گھاس پر بیٹھی ویرا جو گٹار بجا رہی تھی سے ہوتی، اس کی نظر عالیان پر گئی اور سارے الفاظ اپنے اپنے پنجموں میں پھر سے مقید ہو گئے۔

ویرا کوئی روسی گانا ہی گارہی ہوگی، لیکن دنیا میں کوئی گانا کتنا بھی اچھا ہو وہ اتنا اچھا تو نہیں ہو سکتا تا کہ ویرا عالیان کے سامنے گائے اور عالیان اتنی توجہ سے اسے سنے۔

آس پاس بیٹھے دوسرے اسٹوڈنٹس بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے اس کا گٹار اور گانا سن رہے تھے۔ دھوپ اس کی پشت پر پھیلے سنہری بالوں سے چھن کر اس کے گالوں پر پڑ کر انہیں سرخ کر رہی تھی۔ اس کی لمبی گردن دائیں بائیں ہل رہی تھی اور سر ایسے جھوم رہا تھا جیسے روسی گیت فراک کا کوٹا ہاتھ میں پکڑے پیروں کے بل محور رہا ہو۔

ویرا کی آواز اچھی تھی اور انداز بھی وہ اسے بھی کئی گانے سنا چکی تھی۔ لیکن اسے عالیان کو گانا نہیں سنانا چاہئے۔

”کارل میسر بن چکا ہو۔ عالیان بزنس کر رہا ہو گا اور روس کے برفانی طوفان میں گھر کر دیا امر چکی ہوگی۔“ اس نے کھڑے کھڑے اپنے خیال میں ردوبدل کی یہ اس نے خود کو تسلی دی تھی۔ لیکن قدرے بھونڈے انداز سے۔

کارل عالیان اور ان کے ہل میٹس اینڈی اور نیل رات گئے لڑکیوں کے ہل کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر ایک ایک بورڈ پکڑ رہا تھا۔ جن پر اندھیرے میں دکھائی دینے والی روشنائی ہے ”Will You Marry Me“ (کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟) لکھا تھا۔

وقفے وقفے سے کارل تیسری منزل کی ایک کھڑکی پر سرچ لائٹ کی تیز روشنی ڈال رہا تھا۔ لیکن کھڑکی کھل رہی تھی نہ کوئی اور ہچل دکھائی دی رہی تھی۔ ”وہ تمہیں پسند نہیں کرتی۔“ کارل نے بیان

جاری کیا۔

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اسے اس انداز میں ایک پڑپوزل چاہئے تھا۔ وہ اسی قسم کی فلمی سی لڑکی ہے۔“

”اگر وہ فلمی لڑکی ہے تو تمہیں اسے اہل ٹاور کی بلندی پر کھڑا کر کے طیارے میں گول گول کھوتے ہوئے پڑپوز کرنا چاہئے تھا۔ جیسے ٹام کرو نے کبھی کو کیا تھا۔ تم نے تو کافی بھونڈا فلمی انداز اپنایا ہے۔“

”میں یہی بھونڈا انداز افورڈ کر سکتا تھا۔ میں خود ٹام کروز ہوں نہ میرا پپ جارج کلونی۔“

”کیا تم نے اس سے کہا تھا کہ تم آج رات آؤ گے۔“ عالیان نے پوچھا۔

”نہیں۔ یہ تو سربراہ ہے۔“

”وہ گہری نیند سو رہی ہوگی اور جب اسے خواب آئے گا کہ کھڑکی کے نیچے تم کھڑے ہو تو وہ کھڑکی پر آکر

تمہیں کوئی جواب دے گی۔“ کارل بھنا گیا۔ ”ہرگز نہیں اس نے کہا نہیں، لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ہر رات میرا انتظار کرتی ہے۔“

”پروفیسرز کے لیکچرز تمہاری سمجھ میں آئے نہیں اور اس نے کچھ کہا بھی نہیں اور تم سمجھ گئے۔ میں تمہیں یاد دلا دوں کہ ہمارا صبح تک یہاں کھڑے رہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

کارل سے لائٹ لے کر عالیان نے کھڑکی پر ماری۔ ”اندھیرے میں پردے کے پیچھے کوئی مجھے کھڑا نظر آیا ہے۔“ وہ جوش سے بولا۔

اینڈی نے سرچ لائٹ کھڑکی پر ماری تو وہاں اندھیرا تھا اور کوئی وہاں نہیں کھڑا تھا۔ آخر جب وہ کھڑے کھڑے تھک چکے اور کارل نے آنسو صاف کرنے کے لئے اینڈی کے آگے ٹشو کیا اور بورڈ نیچے کر کے وہ اپنی سائیکلوں پر بیٹھ کر جانے لگے تو ایک دم تیزی سے ہال کی کئی کھڑکیاں کھلیں اور ان چاروں پر کئی سرچ لائٹس پڑیں کہ سڑک روشن ہو گئی اور چلا کر ان سب نے کہا۔



تھے اور وہ گھنٹیاں جوان دھاگوں کے ساتھ نتھی  
کرتی تھیں۔ اسے اس نے کوڑاوان میں پھینک دیا۔  
”ان سب کے ساتھ یہ بہت پہلے ہو جانا چاہئے  
تھا۔“ وہ رات بھر خود سے کہتا رہا۔

شٹل کاک کے باغ میں لگے تنور درخت کے  
سامنے کی کھڑکی میں رات کے اس وقت بیٹھی وہ رنگے  
برنگے کٹھنوں پر مختلف رنگوں کے مار کرز سے پیچلات  
لکھ رہی تھی۔ وہ کئی گھنٹوں سے بیٹھی یہ کام کر رہی  
تھی۔ یہ پیچلات اسے سیف روم کی دیواروں پر نہیں  
چپکانے تھے۔

”ان پیچلات کو وہ عالیان کو دینے کا ارادہ رکھتی تھی۔  
کب وہ یہ نہیں جانتی تھی کیسے۔ اس نے اس بارے  
میں بھی نہیں سوچا تھا ابھی وہ صرف ان پیچلات کو لکھنے  
کی جرات ہی کر سکتی تھی۔ وہ پیچلات کو سجا بنا رہی  
تھی۔ جیسے اس کے شاہکار آخری مراحل میں ہوں۔“



دیر رات کا وقت ہے، سڑکیں سنسان سی ہیں۔  
کہیں دور سے کسی کے گراہنے اور بے ہنگم طریقے  
سے گٹار بجانے کی آوازیں گونڈ ہو کر آرہی ہیں۔ ایسی  
آوازیں جن پر کان کھڑے ہو جائیں اور مسام پسینے  
سے بھیگ جائیں۔

ہفتے کی رات ہے، بڑی تعداد میں اسٹوڈنٹس اپنی  
اپنی جاب بار، کلب سے واپس اپنے اپنے ہالز کی طرف  
آ رہے ہیں۔ کچھ ہوش سے بے گانہ بھی ہیں۔ انہوں  
نے پی رکھی ہے۔ سنسان سڑک سے گزرتے ایسے  
مختلف ٹولوں کو رات کے مختلف اوقات میں ذرا دور  
ایک جو کر نظر آتا ہے۔ وہ اسے کسی فاسٹ فوڈ کمپنی کا  
در کر سمجھے ہیں۔ جو کر کے ہاتھ پشت پر ہیں۔ پھر وہ ایک  
دم ان ہاتھوں کو سر سے اوپر اٹھاتا ہے اور ہاتھ میں  
پکڑے ہتھوڑے کو پوری قوت سے زمین پر گرے  
انسان کی کھوپڑی پر دے مارتا ہے۔

انسانی کھوپڑی پاش، پاش ہو جاتی ہے۔ خون  
نوارے کی صورت سڑک پر بکھرتا ہے۔ ذرا دور سے یہ

”ہیس۔۔۔!“ لڑکیوں کی آواز میں شرارت حد سے  
زیادہ نمایاں تھی۔

”ہیس۔۔۔“ کی تان اتنی لمبی تھی کہ ان چاروں نے  
کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

”تم اتنی ساری لڑکیوں سے شادی کرو گے؟“ کارل  
نے دانت نکالے۔

”مگر سارہ نے اجازت دی تو۔۔۔“ اینڈی کے بھی  
دانت نکل آئے۔

پھر ان اتنی ساری کھڑکیوں میں ”ہیس“ کے بورڈ نظر  
آنے لگے۔ فلمی انداز سے پڑپوز کرنے پر فلمی انداز  
سے ہی جواب دیا گیا تھا۔

”میں سارا مائچسٹر اکٹھا کر لاؤں گا۔ اپنے کمرے کی  
کھڑکی کے باہر جب تم سارے مائچسٹر کو کھڑا دیکھو گی تو  
تمہیں ”ہاں“ کا بورڈ اٹھا کر سب کو دکھانا ہی پڑے گا۔“  
ان سارے بورڈوں پر عالیان کو اپنے الفاظ لکھے نظر  
آئے۔ اس کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اس نے اینڈی کے

مسکراتے چہرے سے نظر پھیر لیں۔

ان کا اٹھا پڑاؤ ایک پرائیویٹ ہال کی طرف تھا۔  
خوشی سے اینڈی سے سائیکل ہی نہیں چلائی جا رہی  
تھی۔ وہ دو تین بار خوشی سے سائیکل گرا چکا تھا۔ وہ  
سب آگے نکل جاتے اور وہ پیچھے گرا پڑا ہوتا اور اٹھنے  
کی جلدی بھی نہ کرتا۔

پرائیویٹ ہال کے سامنے تنور درخت کے ساتھ  
انہوں نے کئی سوپر چیاں چیکائیں۔ یہ وہ پیچلات تھے جو  
نیل کی طرف سے اچھل کے لئے درخت پر ثبت کئے  
جا رہے تھے۔ جب وہ سب پر چیاں۔۔۔ چپکا چکے تو  
انہوں نے ایک بڑا بورڈ درخت میں ٹھونک دیا جس پر  
”مسیج ٹری فار اچھل“ بڑے حروف میں لکھا تھا۔  
ہال میں اپنے کمرے میں واپس آ کر عالیان نے اپنے  
وارڈروب میں سے ایک بڑا باکس نکالا اور اس میں  
موجود تھے منے ہاتھ سے بنے کارڈز کو نکال کر جلا دیا۔ یہ  
کارڈز اس نے رنگ برنگے دھاگوں میں پرو کر شٹل  
کاک میں کھڑکی کے سامنے لگے درخت سے باندھنے



دھوکے کے لئے وہاں اتنے دن اصلی مجسمہ رکھا گیا تھا۔ اس دن مجسمے کی جگہ سینئرز اسٹوڈنس میں سے ایک نے مجسمے کا ہر وہ پیدل کر مجسمے کے انداز میں خود کو وہاں کھڑا کر لیا۔ کبھی وہ گزرنے والوں کے آگے ہاتھ کر کے ہائے کھتا کبھی ٹھوڑی پر سے ہاتھ اٹھا کر بال ٹھیک کرنے لگتا اور کبھی ہاتھ سے اپنی جمالی روکتا اور کبھی گزرنے والے کو ”ہاؤ“ کہہ کر ڈراتا۔

کئی کمزور دل لڑکیاں پوری جان سے چلائی ہوئی پائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک امرتہ بھی گئی۔ وہ بس بے ہوش ہوتے ہوتے پئی تھی۔

جتنے زیادہ مذاق یونی میں کئے جا رہے تھے۔ اس سے زیادہ ہالز میں کئے جا رہے تھے۔ ایک مذاق کی بازگشت یونی تک آئی کہ عالیان اپنے کمرے کو لاک کرنا بھول گیا تھا۔ یہ وہ فاش غلطی ہوتی ہے جو پورے تعلیمی دورانیہ کے دوران کسی بھی اسٹوڈنٹ کو مر کر بھی نہیں کرنی چاہئے۔ جب تک اسے احساس ہوا کہ وہ کمرہ کھلا چھوڑ آیا ہے۔ ٹھوڑی دیر ہو چکی تھی۔ اس کا سارا سلمان، اس کا بیڈ، میز، کرسی، کپڑے، جوتے، شیمپوز تک ہال کے لان میں رکھے تھے اور ان پر رانز ٹیک لگ چکے تھے۔ اس کے دو جوڑے جوتے، ایک شرٹ اور بریفوم تو بک بھی چکے تھے۔ اس دن بہت سے اسٹوڈنس کمرے لاک کرنا بھول گئے تھے۔ کیونکہ وہ رات کو ٹھیک سے سو نہیں پائے تھے اور اس لئے سو نہیں پائے تھے کہ رات گئے فائر الارم بجنے لگا۔

سب ہڑبڑا کر اٹھے اور کمروں سے باہر بھاگے، اسی دوران بجلی بند ہو گئی۔ گرتے پڑتے جب وہ سب باہر نکلے تو کوریڈور میں بکھرے کئی سو غبارے جن میں پٹانے بھرے گئے تھے۔ ان کے پیروں سے پھوٹنے لگے۔ پٹاخوں کی دھمک، اندھیرا اور ایک دوسرے کے دھمکے ماحول مضحکہ خیز بھی تھا اور المناک بھی، ساتھ مزے دار بھی۔

ایک دوسرے پر گرتے وہ زخمی بھی ہو گئے۔ عالیان کی ناک پر چوٹ آئی اور اسے ناک پر مینڈن لگاتے کافی

منظر دیکھ لینے والے اسٹوڈنس بمشکل اپنی چیخیں دباتے ہیں کہ جو کران کی طرف متوجہ نہ ہو جاتے اور خود میں بھاگنے کی قوت بیدار کرتے وہ اٹنے پیروں بھاگتے ہی ہیں کہ عین ان کے پیچھے سے دو سرا جو کر نمودار ہوتا ہے جس کے ہتھوڑے سے خون ٹپک رہا ہوتا ہے۔ آگے اور پیچھے والے دونوں جو کرز ”خر خر“ کی آوازیں نکالتے، ان کی کھوپڑیوں کا نشانہ لیتے بھاگنے والوں کی طرف لپکتے ہیں، جبکہ تیسرا جو کر قہقہے لگاتا، گٹار بجاتا ماحول کو مزید خوف ناک بننے میں معاون ثابت ہوتا چہل قدمی کرنے لگتا ہے۔

سڑک اسٹوڈنس کی چیخوں سے گونج اٹھتی ہے۔ خاص کر تب تو مزاحیہ آجاتا ہے جب ان ٹولوں میں بڑی تعداد لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ پورا مائچسٹرل جاتا ہے۔ آگے آگے پیچھے پیچھے ”ہتھوڑا مار جو کرنا۔“ برانک سینزن ان سے سینئرز فارم میں آچکے ہیں۔ ”دی کلون کٹر“ سے عملی مذاق کی ابتدا کر دی گئی ہے۔ انہیں آفیشلی بھی نہ روکا جائے۔

عالیان۔ کارل۔ سائی اور شاہ ویز نے اس ڈرامے کی پہلی قسط سڑک پر چھپ کر دیکھی اور ہنس ہنس کر ان کے پیٹ میں درد ہو گیا تھا۔ انہیں اس پرائیک کی خبر پہلے سے ہی مل چکی تھی۔ کارل نے تو یہ تنگ سوچا تھا کہ ایک جو کر وہ بھی بن جائے، لیکن عالیان نے اسے روک دیا۔ ”ہم اپنے وقت پر کریں گے۔“

یونی لائبریری جانے والے راستے میں ایک مصروف جگہ ایک مجسمہ کھڑا دیکھا گیا، جس کے ایک ہاتھ میں کتاب تھی اور دوسرا ہاتھ ٹھوڑی پر تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جو کوئی اس مجسمے کے قریب سے گزرتا اور سر پر کتاب پڑنے کی صورت میں پیچھے پلٹ کر دیکھتا تو دو تین ہارٹ اٹیک اس کے جسم کے آپار ہو جاتے، کیونکہ ان کی پشت پر کھڑا وہی مجسمہ انہیں کتاب مار رہا ہوتا اور مسکرا کر ہائے کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہوتا۔



چاکلیٹ اس کے آگے کی جو امرہ نے فوراً لے لی اور کھول کر ایک بڑی بائیسٹ لی۔ آخ تھو۔ اس کا منہ صابن، سرخ سیاہی اور نجانے کس کس چیز سے بھر گیا۔ اس کے ہونٹ۔ زبان، دانت اور ٹھوڑی کا کچھ حصہ سرخ ہو چکے تھے۔ اس نے عالیان کو دیکھا تو اس کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اتنا ہنسی، اتنا ہنسی کہ اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

”دو بھوکے۔“ اس نے اس کے پاس جا کر اشارے سے اپنی اور اس کی طرف اشارہ کیا اور پچی ہوئی صابن ٹوئیٹ اس کے آگے کی جو اوپر نیچے سے چاکلیٹ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ”ٹوئیٹ۔ میری طرف سے۔ اے بھی کھاؤ۔“ ہنسی کے دوران وہ بمشکل بولی۔

”تم مانویا نہ مانو عالیان ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ اور تم یہ بھی مان لو کہ دنیا میں کوئی تم سا ہے اور نہ ہی مجھ سا۔“ وہ چابی کی گڑیا کی طرح سر مٹکا کر کہہ گئی۔



جو جو سے درخواست کر کے اس نے عالیان کا ایک اسکیج بنوایا تھا اور اب وہ یہ اسکیج عالیان کو دینے جا رہی تھی یہ کہہ کر یہ اس نے کئی ہفتوں کی محنت کے بعد اس کے لئے بنایا ہے۔ جبکہ وہ تو سیب ایسے بناتی تھی کہ پتا نہیں چلتا تھا کہ یہ سربراگی دم والی کرکٹ کی گیند ہے یا ٹینس کا۔ یا گیند کی شکل کی کوئی دوسری چیز۔ بس وہ کچھ بھی ہو تا سیب نہ ہوتا۔

آخری کلاس لے کر وہ باہر نکلا ہی تھا۔ اس نے اسکیج ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ یونی میں آس پاس معمول سے زیادہ ہی اسٹوڈنٹس ٹھل رہے تھے۔ فارغ فارغ سے پھیلے ہوئے سے جیسے یونی کے اندر کوئی نہ ہو سب باہر ہی ہوں۔ وہ عالیان سے ذرا سی دور ہی تھی کہ آس پاس پھیلے ہوئے چلتے اسٹوڈنٹس نے منہ سے یک آواز رو لو ٹک طرز کا ساؤنڈ نکالا۔ ساؤنڈ اونچا بھی تھا اور سر میں بھی جیسے اسپیکرز سے نکل رہا ہو۔

شرم سی آئی۔ یہی پرائم لڑکیوں کے ہال میں بھی ہوا تھا اور عینی شاہدین کا کہنا تھا کہ پٹاخوں اور لڑکیوں کی چیخوں نے ہال کی عمارت کو زمین سے چند فٹ اوپر اٹھانے کا ریکارڈ بھی بنایا تھا۔ ایسا ہونا ممکن ہے۔ بالکل۔

لا تعداد پرائم کالز کی گئیں۔ ایک کال دادا کو بھی موصول ہوئی کہ امرہ نے ایک عیسائی لڑکے سے رجسٹر میرج کر لی ہے۔ دادا کی صحت اچھی تھی۔ ورنہ انہیں ہسپتال جانے سے کوئی نہ روک پاتا۔ امرہ کے لئے دادا کو یہ سمجھانا محال ہو گیا کہ یہ سینئر لڑکیوں کی شرارت ہے اور کچھ نہیں۔ لیکن دادا یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ ویرا کے پاپا کو بتایا گیا کہ ویرا ماسک پہن کر چاقو کی نوک پر ماسٹروالوں کو لوٹتے ہوئے کئی بار دیکھی گئی ہے اور لیڈی مہر کو کال گئی کہ عالیان نے ہال کی بلڈنگ سے کود کر خود کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔

انگلش ڈیپارٹمنٹ کے سینئرز نے ایک دین سو رنگ رچائے تھے۔ ایک مصری لڑکی امرہ بنی تھی اور اس نے اتنا لہبا دو پٹالیا تھا کہ سب اس دوپٹے سے الجھ کر گرنے کا ڈرانا کرتے پائے گئے اور آرٹ ڈیپارٹمنٹ کے سینئرز نے یونی کے مشہور ذہین اور کچھ زیادہ ہی مضحکہ خیز قسم کے اسٹوڈنٹس کی عجیب و غریب تصویریں ڈیپارٹمنٹ میں آویزاں کی تھی کہ ساری یونی اٹھ آئی تھی۔ ان تصویروں کو دیکھنے کے لئے ان میں کارل ”ناگمانی بلا“ نامی پوسٹر کی صورت

سب سے زیادہ دیکھا گیا۔ وہ تو ”ہارٹ بریکر“ پوسٹر کو ہی دیکھتی رہی۔ تصویر میں عالیان کی آنکھیں بھیجلی تھیں پر پھر بھی اسے اچھی لگ رہی تھیں۔ اس نے اس پوسٹر کی ایک کاپی حاصل کر لی اور اپنے پاس محفوظ کر لی۔

ان ہی دنوں یونی میں ٹوئیٹ بہت عام ہو گئی تھی۔ خاص کر سینئرز بہت فیاض ہو گئے تھے۔ ”ٹوئیٹ امرہ! اس کے پاس سے گزرتی سارہ نے



”زیرِ دل توں زیرِ دل ٹوٹے۔“

امرحہ اور امرحہ جیسے دوسرے چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ بہت تیز اور مرتب آواز تھی۔

”زیرِ دل توں اشارت ساؤنڈ ایکشن آن۔“

فوجوں کی طرح پیر زمین پر مارے گئے اور جو جہاں کھڑا تھا وہ وہیں کھڑا ہو گیا۔ جامد۔ فریز۔ کئی سو اسٹوڈنٹس۔ کئی سو مختلف انداز میں۔

امرحہ اور عالیان جیسے دوسرے اسٹوڈنٹس سر اٹھا اٹھا کر ارد گرد دیکھنے لگے۔ دور دور تک یہی منظر تھا۔ جو اسٹل تھے۔ ان کے درمیان جو اسٹل نہیں تھے۔ وہ اڑے، پھنسے کھڑے تھے۔ کلاسز لے کر نکلتے دوسرے اسٹوڈنٹس اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یہ منظر دیکھنے لگے۔ دور دور تک یہ ساکن انسانی مجسمے کھڑے تھے۔

امرحہ دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کے درمیان پھنسی

کھڑی تھی۔ عالیان پانچ لڑکوں میں گہرا کھڑا تھا۔ سمجھنے میں وقت نہ لگا۔ بڑے پیمانے پر کچھ ہونے جا رہا ہے۔ کچھ وقت ایسے ہی گزر گیا، جب یونی کے اندر سے اپنی آخری کلاسز لے کر دوسرے اسٹوڈنٹس بھی نکل آئے تو روبرو ٹک آواز پھر گونجی۔

”کیپ کلم۔ اسٹل۔ ایکشن آن۔“

کوئی گھوم گیا، کسی نے سر گھمایا، کسی نے پیر کسی نے ہاتھ اور کوئی جھک گیا اور وہ نئی روبرو ٹک شکل میں ڈھل گئے۔ جیسے روبرو ٹک رک رک کر بھاگ رہے ہوں۔ اور پھر اگلے ایکشن پر انہوں نے ایک ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے اور چوکور خانوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان چوکور خانوں میں جو نیزے آگئے۔ عالیان اور امرحہ آمنے سامنے کے خانوں میں تھے۔

”ہائے عالیان میں یہاں ہوں۔“ امرحہ نے خوشی سے اسے آوازی۔

غیر ارادی طور پر عالیان نے فوراً ”گردن موڑ کر دیکھا“ وہ اپنے موبائل سے ویڈیو بنا رہا تھا۔

”میں تمہارے لئے کچھ لائی ہوں۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑے اسکیچ کو لہرا کر کہا۔ عالیان نے واپس ایسے

گردن موڑی جیسے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

ایکشن آن کی ایک اور زوردار گونج اور پیروں کی دھمک چوکور خانے تکون کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ دور دور تک ایک دوسرے سے جڑا تکونی جال بنا نظر آنے لگا۔ کئی سو اسٹوڈنٹس اب کئی ہزار ہو چکے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ اس میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ یونی کے کونے کھدروں سے نکل کر ”انہوں نے یقیناً“ اس کی مشق کی تھی۔

کارل دور سے بھاگتا ہوا آیا اور ایک تکونی ڈبے میں کود گیا۔ ایسا ہی دوسرے ان اسٹوڈنٹس نے کیا جو اس تکونی چال سے باہر کھڑے تھے انہیں تو انتظار تھا اس لمحے کا۔

”زیرِ دل توں دل توں ٹوٹے فوکس۔“

اس بار وہ گھومے ہاتھ چھوڑے، پھر ہاتھ پکڑے۔ اب وہ دائروں کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ لاتعداد

دائروں کی۔ ایک ساتھ جڑے دائروں کی۔ ”اسٹل فوکس۔ کیپ کلم۔ اسٹل ٹریوٹ ٹائم۔“ آوازیں اور۔ اور بلند ہو گئیں۔ ہاتھ چھوڑے، گھومے اور پھر پکڑ لئے۔ پہلے سے بڑے دائرے بن گئے تھے۔

عالیان ”امرحہ ایک دائرے میں آچکے تھے اور کارل سامنے والے میں۔“

”اسٹل ٹریوٹ ٹائم۔“ آوازیں پیروں کی دھمک کے ساتھ گونج رہی تھیں اور پھر انہوں نے ان کے گرد گول گول گھومنا شروع کر دیا۔ فوجی مارچ کرنے کے انداز میں۔ کئی پروفیسرز بھی آچکے تھے اور ڈین کو بھی آنا پڑا۔ سینئرز کی آوازوں کے علاوہ ہر کوئی خاموش رہنا چاہتا تھا۔ وہ کئی ہزار تھے اور جس انداز سے وہ یہ سب کر رہے تھے وہ قابل تحسین تھا۔ ان کی سہرسل کی اڑتی اڑتی خبریں ان تک پہنچی تھیں۔

- We are Champions

ان کے گرد گول گول مارچ کرتے انہوں نے اپنی آواز کو ایک ساتھ ملا کر گانا شروع کیا۔ انہوں نے کامیاب سہرسل کی تھی۔ ان کی آواز کورس میں



تھی۔  
وہ گارہے ہیں۔ وہ جو یونی بے جا رہے ہیں۔  
اور امردہ کو یہ ٹریبوٹ اس لئے بھی زیادہ اچھا لگا کہ  
اس نے ایک ہی دائرے میں خود کو اور عالیاں کو گھڑے  
پایا۔ کاش ایسے دائرے روز بنیں۔ اور پھر کبھی نہ  
ٹوٹ سکیں۔

سینئرز نے ایک پارٹی کا اہتمام کیا تھا جو ایک  
اسٹوڈنٹ کے گھر کے لان میں ہو رہی تھی۔ امردہ  
آچکی تھی۔ ویرانے کہا تھا وہ دیر سے آئے کی۔ البتہ  
کارل وہاں پہلے سے موجود تھا۔ عالیاں بھی کہیں نظر  
نہیں آ رہا تھا۔ پارٹی میں سب نارمل ہی تھا۔ بس تین  
چیزیں ذرا سی اب نارمل تھیں۔ ”روٹی سے بنی شرٹس۔“  
جنہیں تین اسٹوڈنٹس نے پہن رکھا تھا۔ مختلف نظر  
آنے کے لئے یا الونٹ کو یاد گار بنانے کے لئے روٹی کی  
گول گول گیندوں کو سی کر شرٹ کی صورت دی گئی  
تھی۔ بقول ان کے اپنی طرز کا ایک مختلف پہناوا۔  
”بھالو ہی لگ رہے ہیں۔“ امردہ اس طرف دیکھنے  
سے اجتناب کر رہی تھی کہ پھر اس کی ہنسی نہیں رہتی  
تھی۔ ایک لڑکی آئی اس کے پاس اسے اپنی لپ اسٹک  
پکڑائی۔

”اسے تھوڑی دیر کے لیے پکڑو میں ابھی آئی اپنا  
پاؤچ کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں۔“  
امردہ نے لپ اسٹک پکڑی اور جیسے ہی لڑکی گئی۔  
اسے کھول کر دکھا کہ اس کا شیڈ کیسا ہے، لیکن اس  
میں سے شیڈ کے بجائے آگ کا شعلہ نکلا۔ وہ ٹھک  
اسی دور ان اس سے زرا دور شور اٹھا اسے آگ کے  
شعلے نظر آئے ساتھ چلانے کی آوازیں۔ میزوں پر  
سجے مشروبات ان پر اچھالے گئے ان پر جنہوں نے  
روٹی سے بنی شرٹس پہن رکھی تھیں اور جن کی شرٹس  
میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ تینوں بری طرح سے  
اچھل رہے تھے اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا پارٹی میں۔  
”آگ بجھا دی گئی لیکن یہ آگ ان کی شرٹس میں  
لگائی کس نے؟“  
”اس نے“ کارل نے امردہ کی طرف اشارہ کیا۔

ایکشن ری لوڈڈ۔ اسٹے اسٹل گول دائروں میں گھومتے  
وہ رک گئے۔ ان کا رک جانے کا عمل قاتل واو تھا۔  
”ایکشن ری لوڈڈ۔ ایکشن آن۔“  
دائروں سے باہر نکلے کھڑے سینئرز نے دائروں کے  
درمیان میں آکر بڑے بڑے غبارے چھوڑے اور  
جیسے ہی وہ تھوڑے اوپر اٹھے انہیں فائر کر کے پھوڑ دیا  
گیا۔

وہ اور بلند آواز سے گانے لگے ساتھ تالیاں  
بجانے لگے اور داستان گونے اپنا پہن اور ڈائری بیگ  
میں رکھ کر بیگ کر اس کیا اور بھاگ کر دائرے بنانے  
والوں میں شمولیت اختیار کی اور آواز کے ساتھ آواز  
ملائی۔

غبارے جو فضا میں پھولے تھے ان سے نکلی افشاں  
بکھرنے لگی۔ سنہری، سبز، سرخ، پیلی، ہر رنگ کی۔  
ان کے بالوں اور سروں پر۔ ان کے ہاتھوں اور چروں  
پر۔

امردہ نے ہاتھ میں پکڑا اسکیچ کھول کر پھیلا لیا۔  
افشاں اس پر گرنے لگی۔ اس نے اسے افشاں سے  
بھیک جانے دیا خود کو بھی۔  
ہر چہو سج گیا، رنگ گیا۔ کاش تالیوں کی گونج،  
قدموں کی دھمک اور گانے کے بول کبھی ختم نہ ہوں۔  
کاش فضا میں بکھری افشاں کبھی سمیٹی نہ جائے اور  
کاش کوئی جاوگر کمال کر دکھائے، وہ وقت کو ٹھہرا  
جائے۔

ماچسٹرونورشی کو یہ یاد رکھنا پڑے گا۔ جاتے  
ہوئے سینئرز نے اسے کیسا خراج پیش کیا تھا۔  
وہ جانے والوں کی آنکھوں میں نمی آنے میں وقت  
نہ لگا۔ دائروں میں مقید اسٹوڈنٹس نے اسے اعزاز  
سمجھا۔ ان کے لئے جو گانا گایا انہیں وہ ترانہ لگا۔



گھٹیا الزام پر۔  
”شرمندگی تو ہونی چاہیے نا امرحہ!“ کارل اور  
سنجیدہ ہو گیا۔

”جس کسی اور نے مجھے آگ لگاتے دیکھا ہے وہ  
بتائے؟“ امرحہ نے سب کے سنجیدہ چہروں کی طرف  
دیکھ کر پوچھا۔

”جو بھی ہوا اسے جانے دیں، لیکن امرحہ! تمہیں  
ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ پارلی ہوسٹ نے قدرے  
تاسف سے کہا۔

امرحہ اسے دیکھتی رہ گئی ”تم میری بے عزتی  
کر رہے ہو تم کارل کی بات کلو۔“

”بات کارل کی نہیں ان لوگوں کی جان کی ہے، مجھے  
اچھا نہیں لگا تم نے یہ کیا۔“

”جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ تم دونوں ملے  
ہوئے ہو۔“

”میرا خیال ہے ہمیں بات ختم کر دینی چاہیے۔“  
پارلی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی، لیکن ایسی  
شرارتیں بڑے نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں  
امرحہ۔ ”سینٹر لڑکی سارہ نے افسوس سے سر ہلاتے  
ہوئے کہا۔

ان سب کی نظروں میں ملامت اور افسوس تھا۔  
اس کا دل بھر آیا۔ ان سب سے اس کی کتنی اچھی ہائے  
ہیلو تھی پھر بھی وہ کارل کی بات کا یقین کر رہے تھے۔  
ایک طرف لا سٹراس کے ہاتھ میں تھا اور ان کے پاس  
کیا ثبوت تھا۔ امرحہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اسے یہ  
خیال بھی آیا تھا کہ وہ سب مذاق کر رہے ہوں گے،  
لیکن ان کی شرٹس میں آگ لگی تھی ماحول گواہی دے  
رہا تھا کہ وہ مذاق نہیں کر رہے اور وہ اسی پر شک  
کر رہے ہیں۔

”میں نے آگ نہیں لگائی، میں پاگل ہوں جو ایسی  
حرکت کروں گی، شرٹس کے ساتھ انہیں بھی آگ لگ  
سکتی تھی، اتنی عقل ہے مجھ میں، آپ سب اس کارل  
کی بات کا یقین کر رہے ہیں، یہ تو دشمن ہے میرا۔ ہاں  
میں اسے ضرور آگ لگائی اور پھر ان بھی لٹی اگر یہ جل

”ہر وقت مذاق کا وقت نہیں ہوتا کارل!“ امرحہ  
نے بہت سخت انداز سے کہا۔ ماحول بہت سنجیدہ ہو چکا  
تھا ان تینوں کو فرسٹ ایڈ کے لیے اندر لے جایا گیا تھا۔  
ساری پارلی کا ماحول بدل چکا تھا اس پر کارل کا یہ مذاق۔  
”یعنی تم نے مذاق میں نہیں سنجیدگی سے یہ حرکت  
کی۔؟“ امرحہ کی سنجیدگی دیکھ لی آپ نے ”کارل نے  
سب سے پوچھا۔

”جھوٹ بول رہا ہے یہ۔ مجھے کیا ضرورت تھی یہ  
سب کرنے کی۔“ امرحہ نے دیکھا سینٹرز کے موڈ ایک  
دم سے بدل گئے۔

”میں نے خود دیکھا ہے اسے آگ لگاتے اس کے  
ہاتھ میں لا سٹراس بھی ہے۔“ کارل مذاق کے موڈ میں  
قطعاً نہیں تھا۔

”یہ حرکت صرف تم کر سکتے ہو۔“ امرحہ بھی مذاق  
نہیں کر رہی تھی۔

”لیکن اس بار تم نے کی۔ انتہائی فضول حرکت  
امرحہ۔ بہت فضول!“

”ایسے کام میں نہیں تم کرتے ہو، یہ لا سٹراس مجھے اس  
نے پکڑا یا۔“ کہہ کر اس نے لڑکی کی تلاش میں اس  
پاس نظر دوڑائی لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔

”کس نے؟“ کارل پوچھ رہا تھا۔  
”ایک لڑکی نے۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔“

”وہ ہمیں ہے۔ وہ تم ہو۔“  
”وہ تم ہو۔“ امرحہ کو تیز آواز سے چلانا پڑا۔ ”سب

جانتے ہیں ایسے کام صرف تم کرتے ہو۔“  
”ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں اسی لیے اس بار تم نے

یہ حرکت کی، تاکہ سب مجھ پر الزام لگائیں، تم نے مجھے  
تنگ کرنے کے لیے انہیں جلانا چاہا۔ ایسی جان لیوا  
حرکتیں میں نے کبھی نہیں کیں۔“

”تو تم مجھ پر کبھی کیسے الزام لگا سکتے ہو۔ یہاں اور  
بھی تو لوگ ہیں۔“ اس کی آواز اور تیز ہو گئی۔

”کیونکہ میں نے خود تمہیں دیکھا ہے اور میرا دعو  
ہے کچھ اور لوگوں نے بھی تمہیں دیکھا ہو گا۔“

”جھوٹ، غلط، مجھے تو ہنسی بھی نہیں آرہی ایسے



امرد۔ لیکن وہ کہاں ہے جو اس کی روتی صورت پر ہنس نہیں سکا تھا وہ جو عین اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ جس مرد کی آنکھوں کو اتنے قریب سے اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ تو کیا وہ ابتدا تھی۔ وہ اس کے رونے پر فدا ہوا تھا۔ وہ اسے روتا نہیں دیکھ سکا تھا۔ یہ سب اسے اب کیوں معلوم ہو رہا ہے اس نے پہلے کیوں نہیں سوچا کہ ابتدا کہاں سے ہوئی تھی۔

وقت ایک بہرہ پیا ہے، یہ ہمیں ڈھونڈ کر ایک نئے سوانگ میں ہمارے سامنے آکھڑا ہوتا ہے اس کا ہر سوانگ ہمیں محفوظ کرتا ہے نا محفوظ۔ وقت ایک ظالم بہرہ پیا ہے۔

آخری لمحوں میں عالیان پارٹی میں آچکا تھا ہاں اس نے محسوس کر لیا تھا۔ اور وہ اس میں غلط نہیں ہو سکتی تھی اور اگر اب بھی وہ دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دے گی تو کیا وہ اس کے عین سامنے آ بیٹھے گا۔ کیا اس کی صورت سے لگے گا کہ وہ اب بھی اس کے ساتھ رونے کو تیار ہے۔

عالیان نے آخری منظر دیکھ لیا تھا اس کی ڈبڈبائی آنکھوں کا اور دیکھ کر فوراً اپنی نظریں پھیر لی تھیں اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے پاس اس کے عین سامنے جا کھڑا ہوتا۔ اور یہ ٹھیک نہ ہوتا کیونکہ کل رات ہی تو اس نے مارگریٹ کے الفاظ اپنے ذہن میں نقش کیے تھے۔ ”میں ہر رات اس سے نفرت کرنے کا عہد دہرا کر سوتی ہوں عین ہر صبح اس عہد کو توڑتے ہوئے اٹھتی ہوں۔ دنیا میں ہر بیماری کا علاج ہو گا محبت کا نہیں۔ بے شک محبت ایک بیماری ہے اس صورت میں جب یہ ختم ہونے میں نہ آئے اور ختم کر دے۔“

اور وہ خود ختم ہونا نہیں چاہتا تھا وہ اس بے لگام جذبے کو ختم کرنا چاہتا تھا وہ بے قاعدہ مارگریٹ کی ڈائریاں پڑھنے لگا تھا جس درد کے احساس سے بڑھنے سے ڈر رہا تھا۔ پہلے وہ ان لفظوں کو اپنے دل پر کندہ کر رہا تھا جن لفظوں کو کسی نے روکے جانے کے کرب سے کشید کیا تھا۔ یہ عام لفظ نہیں تھے یہ وہ احساسات تھے جنہیں لیے کوئی مرچکا تھا۔ عالیان مارگریٹ کو اب

کر مر جاتا تو۔ اس کی آنکھیں چمک جانے کے قریب تھیں۔

”میں نے بھی تمہیں آگ لگاتے دیکھا ہے امرد!“ جیک نے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔ امرد نے جیک کو بے یقینی سے دیکھا ”کیا تم سب میرے ساتھ پرانک کر رہے ہو؟“

”پرانک تو تم نے کرو کھایا۔“ جیک نے طنزاً کہا۔ اور جیک کے اس انداز پر اس کی آنکھیں چمک پڑیں، آنسو بہہ نکلے۔ ایسے ماحول میں رہنے کا کوئی حواز نہیں رہ گیا تھا اب۔

”میرا خیال ہے مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔“ وہ مڑ کر جانے لگی تھی اسے اب یہ اُمید نہیں رہی تھی کہ کوئی اسے آواز دے کر روکے گا، لیکن جیک کی آواز آئی۔

”تم ایسے نہیں جاسکتیں امرد۔!“ ”کیوں؟ تم پولیس بلوانا چاہتے ہو؟“ اس نے تلخی سے مڑ کر کہا۔ ”نہیں۔“

”تو پھر اور بے عزتی کرنی ہے میری؟“ ”نہیں صرف اتنا بتانا ہے کہ تمہاری روتی صورت دیکھے بغیر ہم میں سے کوئی بھی یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ روتی کے بھالو بھی۔“ جیک نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ تینوں بھالو نئی شرٹس میں بنے تھے کھڑے دانت نکال رہے تھے۔ کارل نے آنکھ دپائی ”میں میری مدد چاہیے تھی اور میں انہیں انکار نہیں کر سکا۔“ امرد ان سب کو دیکھ رہی تھی۔

”آخر برہائے میں ہمارے پاس کچھ تو اثاثہ ہونا چاہیے۔ ہمیں معاف کر دینا۔ اور ہمیں یقین ہے تم جانے والوں کو معاف کر دو گی۔“

وہ ضرور جانے والوں کو معاف کر دے گی۔ لیکن انہیں کبھی یہ نہیں بتا سکے گی کہ انہوں نے اسے اس کیفیت کا شکار کر دیا ہے۔ وہی پارٹی ہے، وہی اسٹوڈنٹس، وہی ماحول، وہی پرانک اور ان کا شکار وہی



یہ ڈائریاں پڑھتے رہا تھا۔



امرحہ کی ڈائری کا ایک صفحہ

وہ سب چلے گئے، اپنے ساتھ وقت کو لیے اور اس وقت کی ہر یاد کو بھی۔ دنیا کے مختلف کونوں میں بکھرنے، کبھی دوبارہ نہ ملنے، میوزک پارز، کلب اور کینٹین میں مل بیٹھ کر فٹبال میچ دیکھنے والے اب گھروں کی خاموشی میں دیکھا کریں گے۔ میزوں پر چڑھ کر جیت کا جشن منانے والے گندھوں پر دوستوں کو اٹھا کر ہا، ہو کرنے والے اب ایسی حرکتوں کو بچکانہ سمجھیں گے۔

کاروں کی ریس لگانے والے، میوزک کنسرٹس کی ٹکٹوں کے لیے بھاگ دوڑ کرنے والے، پورا ہفتہ ویک اینڈ کا انتظار کرنے والے، ہر مہفتے گھر جانے والے ملاز بوائے اور بار بار بلانے پر بھی گھر نہ جانے والے ٹام کڈز اور سیکرٹ سوسائٹی کے کبھی جیٹ لی، بروس لی۔ یہ سب چلے جائیں گے۔ ان کی اسٹوڈنٹ ڈائریاں گرد آلود ہو جائیں گی اور کسی اور اس شام سڑک کے کنارے چلتے، دریا کے کنارے بیٹھے، کیفے میں کسی کا انتظار کرتے یا آتش دان کے قریب بیٹھ کر یونیورسٹی پر پنی کوئی قلم دیکھتے یہ گزرے وقت کو سوچ کر اداس ہو جایا کریں گے۔

اس پارٹی میں سب نے ایک ایک منٹ کی تقریر کی تھی۔ سب سے پہلے ویرانے ان کے لیے ایک الوداعی روسی گانا گایا۔ میں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور دور جا کر کھڑی ہو گئی، اس کے لیے جو ناپسندیدگی میں نے دل میں چھپا رکھی تھی اب وہ باہر بھی آنے لگی تھی اور مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں تھا۔

کارل نے تقریر میں کہا کہ اسے افسوس رہے گا کہ وہ ان میں سے چند ایک کو الو نہیں بناسکا تھا کیونکہ باقی الوں نے ہی اس کا سارا وقت لے لیا تھا۔ عالیان نے بہت کچھ کہا اور میں نے چاہا کہ وہ بس بولتا ہی رہے۔

اس نے کہا۔

”میں تم سب کو تمہاری علوتوں سمیت یاد رکھوں

گا بھلا میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں کہ کیسے تم سب نے اپنی اپنی برتھ ڈے پارٹیز میں ایک ایک پونڈ کے ٹک سے ساتھ سٹرا اسٹوڈنٹس کے پیٹ بھرے اور پھر اترا اترا کر اسے گرینڈ برتھ ڈے پارٹی کا نام بھی دیتے رہے۔ تم میں سے اکثر نے جب بھی مجھے ٹویٹ دی۔ میرے ہی ساتھ بیٹھ کر، ساتھ ساتھ کھا کر دی، یعنی آدھی اور جب بھی واپس لی پوری لی۔ اپنے خالی والٹ مجھے دکھا دکھا کر تم سب مجھے خود پر ترس کھانے کے لیے کہتے رہے اور میں نے ترس کھایا بھی اور جب جب میں نے اپنا خالی والٹ تمہارے آگے کیا تو تم نے منہ بنایا وہ بھی دی بک جتنا برا اور ہرا۔“

عالیان کے بعد میں کھڑی ہوئی میز پر تقریر کے لیے اس کے بعد اور اس کے ساتھ میرا ہی نام آنا چاہیے نا۔ اور میں نے کہا۔

”مجھ میں سمیٹ لینے کا ہنر ہوتا تو تم سب کو چھوٹے چھوٹے بونے بنا کر ایک ڈبے میں سمیٹ کر اپنے ساتھ رکھ لیتی، کہیں جانے نہ دیتی۔“ میری اس بات پر سب نے بہت تالیاں بجا دیں۔ اور سالی۔ وہ پورے دو منٹ تک کھڑا رہا اس کی جگہ کارل نے تقریر کی۔

”میں نے ایک کتاب لکھ لی ہے جس میں تم سب کے راز عیاں کیے گئے ہیں۔ جاتے جاتے سب ہزار ہزار پونڈ میرے پاس جمع کرواتے جانا اور کتاب میں سے اپنا نام اور راز کھواتے جانا، ورنہ چند سالوں بعد اخبارات کی سرخیاں بننے، طلاقیں لینے اور دیوالیہ ہونے کے لیے تیار ہو جانا۔“

شکریہ۔ نیک تمنائیں۔ سالی ان بھیس کارل۔ میں نے عالیان کو اس کیج نہیں دیا تھا۔ ایگزامز کی تیاری کے دوران میں علی، سمک میں کئی بار اس کے پاس سے جا کر پلٹ آئی، یہ سوچ کر کہ شاید وہ اپ سیٹ ہو جاتا ہو۔ اور اس کا رزلٹ خراب ہو جائے کیونکہ ہر



ہونے کا مطلب جان لیا۔ وہ اچھل رہا تھا، ان کے ساتھ گارہا تھا، اپنے سر کو جھٹک رہا تھا۔ میں نے اس منظر کو تصور میں جلد کیا اور خود کو اس کی آنکھوں کے قریب کر کے اس کی آنکھوں پر پلکوں پر پھونک ماری اور افشاں کو ہتھیلی میں قید کر لیا اور پھر اپنی پوروں سے اس کی پلکوں کو چھو کر میں نے وہ افشاں سمیٹ لی۔ میں نے مٹھی بند کر لی۔ میری پشت پر ہزاروں سوال چیخ چنگھاڑ رہے تھے، او ملا مجا رہے تھے لیکن میں نے کسی کو نہیں سنا۔ میری مٹھی کو کھول کر میری افشاں چرائے جانے کی ہمت اب کوئی نہیں کر سکے گا۔

وہ ویڈیو بنانے میں مصروف تھا اور میں آنکھوں کی پتلیوں سے اس کی تصویریں لینے میں۔ مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ میرے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ اور مجھے اس سے مطلب بھی نہیں تھا۔ میں اسے چند بار سائیکل سے گرا چکی ہوں، میرا خیال ہے یہ صرف اتفاق ہے لیکن دیکھنے والوں کا ماننا ہے کہ ”صرف اتفاق تو نہیں“ میں اس پر وضاحت نہیں دوں گی۔ میں اب وضاحتوں سے بچنا چاہتی ہوں، میری کلاس فیلو ٹریسا کا کہنا ہے کہ سوچیں آدمی خوشی نگل سکتی ہیں اور انسان کو پوری خوشی ملتی ہی کہاں ہے کہ وہ آدمی کو بھی کھودے۔

میں اس پر بھی وضاحت دینا پسند نہیں کروں گی کہ میں ہارٹ راک جانے والے راستے پر خود کو کھڑا کیوں رکھتی ہوں اور ہر رات پیغامات لکھ کر انہیں سنبھال لیتا میں نے اپنا معمول کیوں بنالیا ہے، میں سمجھتی ہوں کہ اپنی ذات کا حساب کتاب اگر ہم کسی اور سے نکلواتے ہیں تو ہمیشہ جواب غلط نکلتے ہیں اور خود ہمیں اس حساب کتاب کو کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ میں نے اب اجازت لیے بغیر اپنی ذات کے سارے سوالات نکال لیے ہیں اور جوابات میں ”عالیان“ کو نکلتے پایا ہے۔ ”گو شوارہ امر حہ نام عالیان“

ڈائری کے ان آخری صفحات تک آتے آتے میں نے سوچنا کم کر دیا ہے کیوں کہ اگر میں نے ایسا کرنا

حال میں اتنا تو جان نئی ہوں کہ میں اس کے لیے ایک ویل بن گئی ہوں۔ سینئرز اور جونیئرز کے چند گروپس میں ایگزامز کے بعد کھیلوں کے مقابلے ہوئے تھے۔ کشتی رانی کے مقابلے کے دوران عالیان اور کارل کی کشتی الٹ گئی تھی۔ اس وقت کنارے پر کھڑے میں نے خود کو ٹاک تک گہرے پانیوں میں ڈوبا پایا تھا اور اس حالت میں مجھ پر بہت سے انکشافات ہوئے تھے۔ اسٹوڈنٹ یونین کے لیے رضا کار بننے میں نے بھی جانے والے اسٹوڈنٹس کی چیز بٹھی کے لیے دیے جانے والے سلمان کو اکٹھا کیا تھا۔ کتابیں، کپڑے، گھریلو استعمال کی دوسری چیزیں اور نہ جانے کیا کیا جو وہ ان سالوں میں خریدتے رہے تھے اور اپنے ساتھ واپس نہیں لے جاسکتے تھے۔ اس سلمان کو ہم نے نیلام کر دیا تھا۔

اوک ہاؤس سے اکٹھا کیے جانے والے سلمان میں سے مجھے ایک ڈائری ملی جس پر ”سائی کو دے دی جائے“ لکھا تھا۔ اور کوئی نام نہیں تھا۔ اگلے دن سائی کو دینے سے پہلے میں خود کو اس کی بورق گردانی سے روک نہیں پائی۔ ڈائری لکھنے والا بہت ہی حساس اسٹوڈنٹ تھا اس خزاں میں کرنے والے تھوں پر بھی آنسو بہائے تھے۔ ڈائری کے آخری صفحات میں میں نے اپنا نام پڑھا اور اس کے آگے صرف اتنا لکھا تھا۔

”میں نے اسے رویتے ہوئے دیکھا۔ وہ بار بار اپنی آنکھوں کو مسل رہی تھی۔ ماچھٹر سے دور دنیا کے کسی حصے میں رہتے ہیں، کبھی یہ ضرور سوچوں گا۔ کیا وہ دونوں ایک ہو گئے۔“

ان سطروں نے میرے اندر سناٹا بھردیا اور پھر میرے وجود نے اندر ہی اندر ساری دنیا سے چھپ کر خاص کر معاشرے اور روایات سے عالیان، عالیان کا ورد کیا۔ میری آنکھ میں بہت خوب صورت مناظر قید ہیں۔ میں نے ماضی میں خود کو بہت کم مبہوت ہوتے پایا ہے، لیکن جب عالیان کے بکھرے بالوں پر پلکوں پر افشاں گرنے لگی ہر گر کر ٹھہرنے لگی تو میں نے مبہوت



شروع کیا تو مجھے اپنی مٹھی کھولنی پڑے گی اور میری افشاں اڑ جائے گی۔



عالیان کی ڈائری کا صفحہ :

میرے بہت سے ہل سہنس یونی فیلوز اور دوست جا چکے ہیں اور ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ میں سہم گیا ہوں، میرا ناچسٹر میری دنیا ماما سے آباد ہیں، لیکن اس بار مجھے دنیا خالی خالی لگنے لگی ہے، کیا یہ سب ان کے جانے سے ہوا؟

میں نے خود کو فضول کام کرتے بھی پایا، سڑک پر چلتے بسوں اور کاروں کو گنتے، لوگوں کے چہروں پر نہ جانے کیا تلاشتے اور ان کے چلنے کے انداز اور جوتوں کی بناوٹ پر غور کرتے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں بے مقصد زندگی گزار رہا ہوں گا اور کھلی طور پر کچھ نہیں کر سکوں گا۔ مجھے خود کو رجوش کرنے کے لیے ماما کو یاد کرنا پڑتا ہے اور ماما مارگرٹ کا خیال آتے ہی میں کسی سزا کی کیفیت میں آجاتا ہوں۔ میرے لیے مسکراتا آسان ہو گیا ہے اور خوش رہنا مشکل۔ وہ ساری چھوٹی چھوٹی کمائیاں جو میں سنا کرتا تھا اب مجھے ان سے نفرت سی کیوں ہونے لگی ہے اور میں نے جو اتنا عرصہ خود کو ماما کے خطوط اور ڈائریوں سے دور رکھا اب ہر وقت میں انہیں پڑھنے پر مائل کیوں رہتا ہوں۔ کیا میں ان کی اور اپنی کیفیات کا موازنہ کرنا چاہتا ہوں۔

میں ماما کی ڈائریوں سے سبق لے رہا ہوں کیوں کہ مجھے وہ نہیں بننا جو ماما بن گئی تھیں۔ وہ کمزور تھیں، میں بھی کمزور ہوں، لیکن کسی کو تو ہمت دکھانی ہی پڑے گی ان جذباتوں کے سامنے جو ہم اپنی ہتھیالیوں میں بھر کر گھٹنوں کے بل جھک کر کسی کے قدموں میں پھلور کر چکے ہوتے ہیں۔

میں خود کو مجبور بھی پاتا ہوں اور پابند بھی، میں وہ حصوں میں بنا ہوا ہوں، اگر مجھے ایک پرسکون زندگی

گزارنی ہے تو مجھے دونوں حصوں کو ایک کرنا ہو گا تو پھر مجھے دیرا کو ہاں کہہ دینا چاہیے تھا روس دیکھنے کے لیے۔ اس کا روس اچھا ہی ہو گا۔ اس کی طرح۔ اور مجھے زندگی کو اور زیادہ جوش سے جینا ہو گا تاکہ بے خودی مجھے ہر اندہ دے۔



ایگزائز کے بعد میں روس جانا چاہتی تھی۔ مجھے پاپا سے ملنا تھا، برف پر پھسلنا تھا، لیکن ساری تیاری کر کے بھی میں نہیں گئی۔ میں بھی کیوں نہیں گئی۔ میرا خیال ہے عالیان ہاں کہہ دیتا تو اب ہم دونوں روس بیٹھے ہوتے۔ اس نے کہا ابھی وہ روس دیکھنا نہیں چاہتا، ٹھیک ہے پھر میں نے بھی اپنا سامان کھول دیا۔ مجھے اپنے آس پاس کے لوگوں سے محبت کرنی بھی آتی ہے اور ان کا خیال رکھنا بھی، اسی لیے میں عالیان کا بہت خیال رکھ رہی ہوں کیوں کہ میرے خیال میں پوری دنیا میں اس وقت ایک اسے ہی سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔



امرحہ نے جو ڈائری مجھے دی۔ اسے پڑھ کر میں کئی راتیں سو نہیں سکا۔ وہ ایک ایسے اسٹوڈنٹ کے احساسات سے بھری ہوئی تھی جو کئی سالوں تک یہ فیصلہ کرنے میں ناکام رہا تھا کہ اسے اپنی دوست سے محبت ہے یا صرف لگاؤ۔ لڑکی اس کے ملک میں اس کے آبائی شہر میں اس کے گھر کے سامنے والے گھر میں رہتی تھی۔ ایک رات اسے لوک ہاؤس میں لڑکی کی اچانک موت کی اطلاع موصول ہوئی لڑکی کے دل غ کی نس پھٹ چکی تھی پھر اسے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گئی کہ ”اب وہ اس کے بغیر ایسے زندہ ہے جیسے اس کے ساتھ ہی مر چکا ہے“ کچھ فیصلے صرف دائمی جدائی کے ہاتھوں ہی طے پاتے ہیں اس سے پہلے خبر ہوئی ہے نہ احساس۔ اور میں بہت سے لوگوں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ٹھیک ٹھیک وہ تحریر



بڑھنے کی کوشش کریں جو کوئی آپ کی ذات میں رقم کر گیا ہے۔



### کادل کی ڈاڑی

بھی بھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں جارج کا گلابا کر اسے ختم کر ڈالوں، یعنی کہ وہ جارج میری پوری گیارہ ٹوئٹس لے کر بھاگ گیا اور جینا جس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ جاتے ہوئے مجھے اپنی کاروے کر جائے گی اگر پروم ٹائٹ کی متوقع کو مین کاڈریس یا منہ میں کسی طرح سے بگاڑوں یا اسے پروم ٹائٹ میں آنے کے قابل ہی نہ چھوڑوں تو میں نے دوسرا کام کر دکھایا اور فوڈ پوائزن سے اسے پروم ٹائٹ سے دور رکھا اور جینا اپنا بوریا بستر اور کونین گراؤن سمیٹ کر کار سمیت مجھ سے ہی دور ہو گئی۔ میں نے اس کے گھر کا پٹا ڈائری میں محفوظ کر لیا ہے ایک دن جینا جان جائے گی اچھا ہوتا اگر وہ مجھے کاروے جاتی۔ میں جلد ہی امریکا جاؤں گا۔

آج کل میں کافی مصروف ہوں۔ ویلکم ویک کے لیے اس بار میں نے کچھ ایسے مصنوعی کپڑے دریافت کیے ہیں جو کھال کے ساتھ چپک کر کھال کو نیلا کر دیتے ہیں۔ یہ وہی کپڑے ہیں جنہیں دیکھتے ہی لڑکیاں اچھلنے اور پھدکنے لگتی ہیں اور اس بار میں نے پین میں پہلے سے زیادہ طاقت و ریپٹوی فکس کی ہے صرف اپنی طاقت دور کہ جب تجربے کے طور پر میں نے شاہ ویز کو اس سے چھو اتو وہ اچھل کر دور جا کر اور اس نے اقرار کیا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ کچھ اور بھی آلات ہیں لیکن ابھی میں ان پر کام کر رہا ہوں۔

فریڈرک آخر تم کب آؤ گے۔ تمہارا کادل۔ نیک تمنائیں۔



آسک می کی سمرٹ پنے اور آسک می کا بورڈ پکڑے وہ کافی خوش سی تھی۔ وہ اپنا بورڈ لے کر سب سے پہلے

عالیان کے پاس گئی۔

”پوچھو! مجھ سے کیا پوچھنا ہے۔ جس وقت میں تمہارے پاس آئی تھی اس وقت تم نے کافی کے ہزار دو ہزار کپ پی رکھے تھے۔ وہ تو میں حوصلہ مند تھی جو تمہارے انداز اور لب و لہجے پر رونے لگی تھی۔ ویسے مجھے یہ بات بعد میں ڈرک نے بتائی تھی کہ لڑکیاں جان بوجھ کر بار بار آکر تمہیں تنگ کر رہی تھیں اور حیرت ہوئی یہ سن کر کہ ایسی لڑکیوں کے سر پر تم نے

آسک می کا بورڈ کیوں نہیں دے مارا شاید ان سب کا غصہ تم نے مجھ پر نکال دیا تھا۔ کیا تمہیں ذرا سا بھی ترس نہیں آیا تھا مجھ پر۔ اچھا تم ایسا کرو میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ جب مجھے جیسی ڈری سہمی اور بے چاری سی لڑکی آتی ہے تو اسے کیسے ڈیل کیا جاتا ہے اور اگر اسے اس جگہ تک چھوڑ دیا جائے جہاں جانے کے بارے میں وہ پوچھ رہی ہو تو ہماری عظمت اور شان میں کمی نہیں آجائی۔ ویسے آج بھی کافی ہی پی کر نکلے ہو نا۔ ٹھیک ہے آج تو ضروری تھا ضرورت بھی کیا ہے سب سے نرم خوئی سے بات کرنے کی۔“ وہ اس کے ساتھ کھڑی بولتی ہی جا رہی تھی۔

ایک اسٹوڈنٹس عالیان کے پاس اس سے کچھ پوچھنے لگا ہاتھ کے اشارے کے ساتھ وہ اس اسٹوڈنٹ کے ساتھ جانے لگا اور دور چلا گیا۔ اسی دوران ایک ایشیائی لڑکی اس کے پاس آئی اور کافی دیر تک اس کا سر کھاتی رہی یا تو اس لڑکی میں بولنے کی طاقت بہت زیادہ تھی یا اس نے سمجھ رکھا تھا کہ دوسروں میں سننے کا حوصلہ بے مثل ہے۔ وہ کافی تفصیل سے اسے یہ بتانے لگی کہ کن خطرناک مراحل سے گزر کر اس کا داخلہ یونی میں ہوا ہے کیوں کہ اس کے دادا مان ہی نہیں رہے تھے ایک دوسری لڑکی آئی اور کھڑے کھڑے یونیورسٹی کے بارے میں سب جان لینا چاہا حتیٰ کہ اس نے یہ سوال بھی پوچھ لیا کہ اسٹوڈنٹ یونین کے صدر کا انتخاب کن مراحل سے گزر کر کیا جاتا ہے



کہ کرتب کے کرتب سازوں کے آلات فن چرالانے کا شغل رکھتی ہوں اور چند فریشرز کو دیکھ کر امرحہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ ”دنیا ایک جنگل ہے اور ہم اس کے باسی۔“ یا یہ کہ بہت رہ لیا اس قدیم سی دنیا میں چلو اب کسی اور سیارے کی طرف نکلیں۔“ یا شاید یہ ثابت کرنا چاہ رہے تھے کہ ”میں انسان بنے رہنے سے تھک گیا ہوں جب سے پیدا ہوا ہوں انسان ہی ہوں اب مجھے کوئی اور مخلوق ہونے کا شرف بھی حاصل کرنا چاہیے۔“

ڈیرگ آیا اس کے پاس ”میری جگہ کھڑی ہو، کیا لگ رہا ہے؟“ کہہ کر دانت نکالے کچھ بتائیں سکتی کاش میری بھی ناک لمبی ہوتی تو میں اپنے احساسات جان پاتی۔“

”اُہا! جس طرح تم میری ناک کو گھور رہی تھیں میں نے اس رات سنجیدگی سے ناک کی سرجری کروانے کے بارے میں سوچا تھا۔“

”پھر سوچنا ترک کیوں کر دیا؟“ اس نے دانت نکالے۔

اسے ایک چاکلیٹ ٹویٹ دے کر، تھوڑی گپ شپ لگا کر وہ چلا گیا۔

ویلم ویک کا آخری دن تھا، معمول سے زیادہ اسٹوڈنٹس کا رش تھا کہ انتہائی ہلکی فانی ڈرننگ میں آنکھوں پر چشمہ لگائے، کسی مشہور و معروف میٹر اسٹائلرٹ سے ہل بنوائے ایک لڑکا اشار ڈم کی دھول اڑاتے چار عدد کالے پنٹ کوٹ اور چشمے چڑھائے گارڈز کے زرخے میں یونی کے اندر آیا۔ اس کے آگے پیچھے فوٹو گرافرز کا ہجوم تھا جو دھڑا دھڑا اس کی تصویریں بنا رہا تھا۔

امرحہ منہ کھولے دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ کیا وہ اتنا ہی خوب صورت ہے ہمیشہ سے۔ اگر گارڈز اور فوٹو گرافرز اس کے گرد نہ بھی ہوتے تو بھی وہ ہجوم کو روک لینے کا مکمل رکھتا تھا۔ اس کا فیورٹ سپر

اور معزول کن مراحل سے گزر کے۔

اور کچھ کا خیال تھا کہ ”آسک می“ سب بتا سکتے ہیں یہ بھی کہ آکسفور روڈ سے بس کہاں کہاں لے جاتی ہے اور یہ بھی کہ کینٹین میں برگر کتنے کا ہے اور کافی کتنے کی۔ ایک نے یہ بھی پوچھ لیا کہ اس کی دوست ڈی کہاں ہوگی اس وقت یونی میں کسی کا سوال صرف اتنا سا تھا کہ کس طرح کی ڈرننگ کر کے آنے سے وہ یونی میں جلد مشہور ہو جائے گی۔

تو ایک سال پہلے عالیان نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک کیا تھا کیوں کہ ہر برداشت کی ایک حد بالآخر ہوتی ہے۔ تو جس جس مقام سے وہ گزرا ہے اس اس مقام سے وہ گزرے گی تو جان پائے گی کہ حقیقتاً ہوتا ہے کیا اور پھر محسوسات کیا ہو جاتے ہیں۔

”جیسمین یہ تمہاری گردن پر کیا ہے؟“ کہے سرخ بالوں والی لڑکی نے چلانے میں کنجوسی برتی نہ احتیاط۔ دونوں امرحہ سے ذرا سی دور تھیں۔

جیسمین نے تڑپ کر سرخ بالوں والی کی طرف دیکھا۔ ”کیا ہے میری گردن پر؟“

”اومائے مائے تمہاری گردن تو نیلی پڑ گئی ہے یہ چھوٹا سا کیرٹریہ تو زہریلا لگتا ہے“ آف یہ تو تمہاری گردن سے اتر رہی نہیں رہا اور یقیناً ”اس نے اپنا ڈنک تمہاری گردن میں گاڑ رکھا ہے۔ زہر پھیل رہا ہے تمہاری گردن میں۔“ یہ سن کر جیسمین نے چلانے میں اپنی دوست کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

ان دونوں کے تاثرات دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی امرحہ کی ہنسی نکل گئی۔ ان سب میں یہ خاموش معاہدہ طے تھا کہ کارل کے بارے میں کوئی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔

اس بار فریشرز میں نمونوں کی بھرمار تھی جیسے کہ ایک لڑکی کو دیکھ کر کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے پیرس فیشن ویک کے ریپ سے چلتی سیدھی یونیورسٹی آگئی ہو اور ایک نے کانوں میں اتنے بڑے بندے اور کلائیوں میں ایسے ایسے کڑے پن رکھے تھے کہ گمان ہوتا تھا



لڑکیاں بھی آنے لگے اور گارڈز کا حلقہ توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔

اب تو کوئی شک ہی نہیں رہ گیا تھا۔ فریشرز بھی آگے بڑھے، وہ بے چینی اور جوش کا شکار تھے۔ کوئی ابہام نہیں رہ گیا تھا وہ خوش ہیں کہ کوئی اشاران کی یونی میں ان کے ساتھ پڑھے گا۔

”ان کے لہنز نے ان پر ہلا بول دیا ہے۔ ویل ایس ماحول میں یہ صرف پڑھ نہیں سکیں گے یا پڑھنے نہیں دیں گے، لیکن یہ قابل تعریف ہے کہ مسٹر جین نے اپنی کامیابیاں سمیٹ لینے کے بعد بھی پڑھنے کا فیصلہ کیا۔“

یونی ٹیل والی کی تیز آواز میں رپورٹنگ جاری تھی اس کی آواز اتنی تیز تھی کہ فریشرز کا آدھا مجمع آرام سے سن سکتا تھا اسی کی طرح کی دوسری رپورٹ دوسری طرف کھڑی تیز تیز آواز میں رپورٹنگ کر رہی تھی۔ ویلکم ویک کے اس آخری دن یہ سب آنا ”فانا“ ہوا وہ آیا اور چھا گیا چند منٹ لگے اور فریشرز اس کے گرد

اشار اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ کیا یہ سچ تھا؟ فریشرز جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے خاص کر افریقی، ایشیائی، چھوٹے اور ترقی پذیر ملکوں کے اسٹوڈنٹس اس خوب صورت اور مشہور انسان کو گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے جس کی تصویریں کھینچنے کے لیے فوٹو گرافرز مڑے جا رہے تھے اور ان کے پیچھے مائیک ہاتھ میں لیے لی وی چینلز کے رپورٹرز لائیو کوریج کر رہے تھے۔

”مسٹر جین نے مائچسٹریونیورسٹی میں پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ایک دانش مندانہ فیصلہ ہے، لیکن میں تھوڑا تشویش میں مبتلا ہوں کہ کیا یونیورسٹی انتظامیہ ان کے لاکھوں لہنز کو یونیورسٹی تک آنے سے روک سکے گی، مجھے خدشہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گی۔“ مائیک ہاتھ میں لیے لی وی رپورٹر اپنی یونی ٹیل کو ہلا ہلا کر تیز تیز بول رہی تھی۔

پینٹ کی ایک جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ کھڑا ہو گیا اور یونی کو سراٹھا کر دیکھنے لگا اور ایسا کرتے اس نے گردن کو ایسا خم دیا کہ امرتہ سانس لینا بھول گئی۔

اپنے سارے ضروری کام چھوڑ کر فریشرز انہماک سے مسٹر جین کو دیکھ رہے تھے یہ ضرور کوئی قلم اشار ہے یا شاہی خاندان کا فرد یا کسی بڑے، لیکن غیر معروف ملک کا متوجہ شہزادہ۔ کوئی فٹ بالر، منکر جسے فی الحال وہ نہیں جانتے۔ ہاں وہ نہیں جانتے۔ فریشرز نے مزید وقت ضائع کرنا فضول سمجھا اور پانچوں کی طرح معروف مسٹر جین کی موبائل سے تصویریں اور ویڈیو بنانے لگے تاکہ اپنے ملکوں کے مقامی اخبارات کو دے سکیں، سوشل میڈیا پر وائرل کر سکیں۔

اسی دوران لڑکیوں کا ٹولہ چلا تا ہوا اس کی طرف لپکا گارڈز نے لڑکیوں کو دور سے ہی روک لیا۔

”آنے دیں انہیں۔“ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

لڑکیوں نے خوشی سے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے اپنے ہاتھ آٹو گراف کے لیے آگے کیے اور لڑکے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول



قیمت - 300/- روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ فون نمبر: 32735021  
37، اردو بازار، کراچی



ورنہ تو ڈیرا اور پھر جوڑنے کے لیے آگئے۔ انہوں نے نئے آنے والوں کو الو بتایا۔ اب وہ سب ہنس رہے تھے۔ یہ عالیشان کا ظاہر تھا، لیکن اندر سے وہ خاموش تھا۔ وہ سوچ رہا تھا ایک مذاق تو اس کے ساتھ بھی ہوا جو اتنا عملی تھا کہ اسے ہی بے عمل کر ڈالا تھا۔



امرحہ کی ڈائری کا صفحہ

”میں نے اسے انکار کر دیا۔ مجھے ایک مسلمان سے شادی کرنے میں دلچسپی نہیں تھی۔ پھر میں نے ہر رات جاب سے واپسی پر اسے اپنے راتے میں کھڑے پایا۔ ہر رات ہر صبح۔ وہ مجھے دیکھتا رہتا اور میں اس کے پاس سے گزر جاتی وہ اتنا مستقل مزاج ہے کہ میرے انکار پر بھی میرے راستوں میں کھڑا رہتا ہے میرے ساتھ بس میں سفر کرتا ہے، خریداری کے دوران میرے آس پاس رہتا ہے اور پھر کتنے ہی مہینوں بعد جب میں نے اسے وہاں صرف ایک دن کھڑے نہیں پایا تو میں نے اپنی آنکھوں کی روشنی کم ہوتے ہوئے محسوس کی۔ اس کا وہاں کھڑے رہنا کیوں ضروری تھا اور ایک اس کے وہاں نہ ہونے سے دنیا میں کچھ بانی کیوں نہ رہا اور میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا ”خدا کی تلاش میں“ کہ وہ مجھے بتائے کہ کیا ایسا ہی ہے۔

میں گھر واپس آگئی اور رات صدیوں پر محیط ہو گئی۔ پلکوں کی جنبش کے سوا میرے وجود نے حرکت نہ کی۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہو گئی تھی، لیکن وہ میرے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ اب اگر وہ مجھے صبح و شام دیکھنے کو نہیں ملے گا تو میری بیٹائی پر اثر پڑے گا۔ اب اگر اس کا سایہ میرے پیچھے پیچھے نہ رہا تو میرا وجود بے سایہ ہو جائے گا اور اس رات میں نے پہلی بار سوچا اسے ہاں کہہ دینے میں مجھے تامل کیوں ہے، کیا میں مغرور ہوں کہ میں بہت خوب صورت ہوں یا کوئی اور فرق غالب ہے؟

گھیرا بنا کر کھڑے ہو گئے اور جو ادھر ادھر تھے وہ بھی اسی کی طرف دیکھنے لگے کہ کون آیا ہے۔ سب کے موبائلوں والے ہاتھ بلند تھے اور پھر اس گھیرے کے اندر ایک بوڑھا بلند ہوا جس کے ایک طرف لکھا تھا۔ ”ویلم فریڈریش۔ وی آر یور سینئرز۔ تھینکس فار دی انیشن“

اور بوڑھی کی دوسری طرف لکھا تھا۔ ”یو آر آسم فوٹرز۔“ نئے آنے والے ہونقوں کی طرح بوڑھا پڑھتے رہ گئے اور پھر ان بلند بانگ قہقہوں کو سننے لگے جو مسٹر جین اس کے گارڈز، فوٹو گرافرز اور اس کے فہنڈ ان کی طرف اشارے کر کر کے لگا رہے تھے خفت ان کے چہروں پر لکھی تھی، سینئرز نے انہیں آتے ہی دھر لیا تھا۔

جب فہنڈ عالیشان سے آؤ گراف لے رہے تھے تو وہ بھی فوراً ”اس کے پاس گئی تھی اور ایک ساواہ کاغذ اس کے سامنے کیا تھا۔

”اس پر اپنا نام لکھ دو۔“ امرحہ نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر بہت خوش ہوتے ہوئے کہا۔ کیمروں کے لہک فلیشز ان دونوں پر پڑ رہے تھے وہ اس انسان کے سامنے کھڑی تھی جو پوری یونی کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ عالیشان نے کاغذ پر ایسے ہی لکیریں کھینچ دیں۔ ”مجھے تمہارا نام چاہیے لکیریں نہیں۔“ اس نے اردو میں کہا۔

ناچار اس نے اپنا نام لکھ دیا اور وہ گارڈ نے کارل کو دھکا دے کر حلقے سے باہر نکل آئی اور رپورٹنگ کرتی دیر کے قریب سے گزرتی خود کو ہجوم سے دور لے گئی۔ اس کا خیال تھا وہ ایک معرکہ سر کر آئی ہے وہ اس کا نام لکھوا لائی ہے اور اس سے پہلے جب اس نے بے نیازی سے اپنی فہنڈ کو دیکھا تو امرحہ دنگ رہ گئی۔ کیا وہ ایسا ہی ہر فن مولا ہے۔ اس میں کتنی لوا میں ہیں کہ ختم ہونے میں آتی ہیں نہ کتنی میں۔

جب وہ اس کا نام لکھوا لے گئی تو عالیشان کو لگا وہ اس کا مذاق اڑا گئی ہے۔ اور اب اسے یہ زیادہ شدت سے لگنے لگا کہ وہ اس کا کھلونا ہے، جب جی چاہا کھیل لیا



”مار گریٹ کا شوہر بھی مختلف معاشرے سے آیا تھا۔ سب خود غرض اور بے حس لوگ ایک جیسے ماحول اور معاشرے سے آتے ہیں۔“ اس کے خیالات کتنے واضح ہو گئے تھے۔

”وہ بے حس نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر میں ہوں۔“

”تمہیں اس پر اتنا غصہ ہے یاد رکھنا غصہ اپنوں پر ہی ہوتا ہے۔“

”اپنا وہ ہوتا ہے سائی جس کے دل میں تمہارے لیے احساس ہوتا ہے اور امرحہ ٹھیک ہے سنو امرحہ کیا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ میں اس کے لیے کیا جذبات رکھتا ہوں بے وقوف نہیں تھی وہ۔ وہ مجھ سے دور کیوں نہیں ہوئی۔ اس نے مجھے روک کر یہ کیوں نہیں کہا کہ تم ایک غیر مسلم عورت کے بیٹے ہو تمہارے باپ کی خبر نہیں۔ مجھے تم سے تعلق نہیں رکھنا اگر ملنا نے میری تربیت نہ کی ہوتی اگر ایک مسلمان کی حیثیت سے میں نے صبر کا درس نہ لیا ہوتا تو جانتے ہو۔ میرے ساتھ کیا ہوتا میں ذہنی انتشار کا شکار ہو کر پاگل ہو جاتا۔ مجھے بے وقوف بنا کر میرے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا۔ میں اس پر بھڑکا نہیں اس پر چلایا نہیں اور اسے یہ بتایا نہیں کہ وہ کس قدر خود غرض ہے۔ میں یہ نہیں بھول سکتا کہ سب جانتے ہو جتھے وہ کیسے میرے ساتھ رہی جیسے میرا دل توڑنا اس کا مقصد تھا۔ کیا محبت اور دوستی میں فرق نظر نہیں آتا۔ نظر آتا ہے صاف نظر آتا ہے اور اگر دوستی ہی تھی تو اسی دوستی کا لحاظ رکھ کر وہ میری کچھ تو عزت کرتی۔ ویرا کے سامنے اس نے میری میری ماں کی کیسے بے عزتی کی۔ احترام وہ ہوتا ہے جو عثمانی میں بھی کیا جائے۔ جو دل و دماغ کی سوچوں میں بھی کیا جائے۔“

سائی اگر میری ماں سے محبت کرنے والا دھکار کر اسے اپنی زندگی سے الگ کرنے والا ایک صرف احترام اور عزت کا راستہ اپناتا تو آج میری ماں زندہ ہوتی۔ امرحہ کو ایک کھلونا چاہیے تھا۔ ”دوست“ یونیورسٹی کا سب سے موسٹ وائنٹڈ (Most Wanted)

”لیکن وہ انسانوں کی پہلی شناخت تو انسان ہونا ہوتا ہے نہ۔“ اس رات صرف پلوں کی جنبش پر اختیار نہ رکھتے ہوئے میں نے یہ فلسفہ گھڑا۔ یہ میری اپنی قابلیت تھی یا اس شخص کی قوت کہ میں نے ایسا فلسفہ خود کو سکھا دیا۔

محبت دنیا میں سب سے بے اختیار جذبہ ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خرابی ہے۔“

عالیان نے کئی بار اسے اپنے راستوں میں گھڑا دیکھا تھا وہ ایسے ظاہر کرتا جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔ اسے یقین تھا کہ اس شخص اور اس امرحہ میں ایک جیسی خامیاں اور خوبیاں ہیں۔ پہلے جکڑ لینا پھر جھٹک دینا۔ پہلے ہنسنا پھر رلانا۔ پہلے اپنے ساتھ زندہ رکھنا پھر اپنے بغیر مردہ کر جانا۔ یہ لوگ ایک جیسے ہوتے ہیں برباد کر دینے والوں لوگوں کی رمزیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ سراب ہوتے ہیں ان کے پیچھے بھاگو انہیں پالو اور پھر یہ دلدل بن جاتے ہیں۔ ان میں دھنسن کر دم توڑ دیا جائے یہ یہی چاہتے ہیں۔

”تو مار گریٹ کی زندگی میں آنے والا شخص اور اس کی زندگی میں آنے والی لڑکی دونوں ایک جیسے ہیں۔“

اپنی منتشر ذہنی حالت میں اس نے خود کو گئی بار یہ کہتے پایا۔ کسی ضروری کام کی طرح اس نے اسے خود کو بھولنے نہ دیا۔

”مرحہ بر ترس کھاؤ عالیان۔“

”سائی! تمہیں ہر وقت اس کا وکیل بنے رہنے کا شوق کیوں ہے؟“

”تم غلطی پر ہو وکیل میں تمہارا ہوں خود کو دیکھو عالیان بڑی تم کس کو دھوکا دے رہے ہو؟“

”دھوکے سے ہی تو نکل آیا ہوں۔“

”یہ سال بھی گزر جائے گا۔ وہ چلی جائے گی۔“

”تو چلی جائے۔“

”جب چلی جائے گی تب بھی اتنی ہی آسانی سے کہہ سکو گے؟“

”بالکل۔“

”دیکھو وہ ایک مختلف ماحول سے آئی ہے۔“



اس نے لکھا ہے ”زندگی وضاحت سے میرے سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔ میرے لیے یہ کھوکھلی ہے۔“

”زندگی کی حقیقت مجھ پر کھل چکی ہے اور یہ کام امرحہ نے کیا۔“

”اور اس نے یہ بھی لکھا ہے۔“

”میں نے اپنے جذبے کو سلائے رکھا اور اسے بتا نہیں سکا۔ اب وہ سوچ چکی ہے اور میں خود کو بتاتا پھرتا ہوں۔“

”میں اسے بتا چکا تھا سائی بتا چکا تھا۔“ عالیان چلا اٹھا۔

”اور آخری بات اس ڈائری میں یہ ہے۔“

”اور میں نے یہ جان لیا محبت کے واقع ہونے سے

زیادہ اس کے قیام پر قائم رہنا ضروری ہے۔“

”سائی! عالیان نے سائی کو اس کی شرٹ کے کالر سے پکڑا۔ ”کیا تم سسکتی ہو بلکتی تڑپتی مارگریٹ کو بھی یہ

مشورہ دیتے ہو۔ کیا تم اسے بھی یہی فلسفے

سناتے ہو۔ مارگریٹ کی ڈائریاں بھی لے جاؤ۔ اور پھر

مشورے دینا۔ میں دیکھوں گا سائی! تم کتنے انسان

دوست ثابت ہو سکتے ہو۔ میں دیکھوں گا۔“

اور سائی اس بات پر چپ ہو گیا۔ اس کے وجود

میں سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔



موسم پھر سے سرد ہونے لگا تھا اور اتنا گرم تھا ہی

کب کہ سرد ہونے میں وقت لیتا۔ چلتے چلتے بارش

ہونے لگتی اور چلنے کے دوران ہی رگ بھی جاتی۔

فریشرز کے بارے میں آئے دن کچھ نہ کچھ نیا سننے کو ملتا

رہتا۔ وہ فریشرز کو حسرت سے دیکھتی۔ کاش وہ بھی ان

ہی میں سے ایک ہوتی اور وہ سب نہ ہوا ہوتا جو ہو چکا

ہے۔ وہ اب عالیان سے ملتی اور اس بار زیادہ سمجھ داری

کا ثبوت دیتی اور پھر اسے سڑک پر اکیلے نہ چلنا پڑتا،

موسم کے بدلنے پر اسے اداسی نہ ہوتی۔ کسی نے

فرصت نکال کر اسے بددعا بھی کہ وہ اس حالت میں

اسٹوڈنٹ اس کا دوست ہے اس کے ساتھ ہے اس

کے آس پاس رہتا ہے اور اس پر فدا ہے۔ بس یہی

حیثیت تھی اس کے نزدیک میری۔ وہ آج بھی میرے

پاس آتی ہے کہ میں پھر سے اس کا دوست بن جاؤں،

جب تک اسے ثبوت نہیں مل گیا اس نے مجھے

لانڈھب سمجھا۔ مجھے لے کر وہ ایک فارم بھرتی رہی اور

خانوں میں ٹک کر اس لگاتی رہی اتنی ہمت تو میری ماں

نے بھی کی تھی۔ سائی! دو انسانوں میں پہلی اور ضروری

مشترک تو اس نے بھی ڈھونڈ نکالی تھی۔ میں کس

بلندی سے زمین بوس ہوا تھا تم نہیں سمجھ سکتے کیوں

کہ تم نے کڈز سینٹر میں پرورش پائی ہے نہ تمہاری ماں

مارگریٹ رہی ہے۔“

سائی کو دکھ ہوا۔ اسے ”سے اٹ آں نہیں ہونا

چاہیے تھا“ ایسے دکھ سن کر وہ کیسے سکون سے سو پایا

کرے گا۔ عالیان کی آنکھوں میں نمی تھی اور وہ رو

دینے کو تھا۔

”میں کئی حصوں میں بٹا ہوا ہوں، مجھے خود کو اکٹھا

کر لینے دو فیصلہ کر لینے دو مجھے۔“

”فیصلہ دلغ سے کرنے جا رہے ہو۔؟“ سائی نے

نری سے پوچھا۔

”نہیں تجربات سے۔ اپنی ماں کے۔“

”تو تم اس سے محبت کرنا چھوڑ چکے ہو؟“ یہ سوال

کرتے سائی کا دل بھر آیا۔

”میں اس بارے میں سوچنا چھوڑ چکا ہوں۔“

”تم اپنی ماں کی اور اپنی زندگی کا موازنہ کر رہے ہو

اور غلط کر رہے ہو۔“

”جب ٹھیک کر رہا تھا تب بھی غلط ہی ہوا تھا۔“

”تمہارے لیے دعا گو ہوں۔ کاش میں تمہیں وہ

ڈائری دے سکتا جو میرے لیے اوک ہاؤس میں ایک

اسٹوڈنٹ چھوڑ گیا تھا اس نے ایک جگہ لکھا کہ اب وہ

اس چیز کی قدر جان گیا ہے جو اس کے پاس نہیں

رہی۔“

”میرے ہاتھ بھی خالی ہیں کچھ نہیں ہے ان

میں۔“



آچکی تھی۔ عالیان اس کے ساتھ زیادہ حتی سے پیش آنے لگا تھا۔ اس میں تیزی سے تبدیلیاں آ رہی تھیں، ہر دن وہ پہلے سے زیادہ سخت اور بدلا ہوا لگتا تھا۔

”زندگی کی بدترین صورت حل جانتے ہو کون سی ہوتی ہے سائی۔! دوپاروں میں سے ایک کو چننا۔“

”اور دو میں سے ایک کو چھوڑنا۔“

”ہاں اور اس سے بھی بدترین وہ ہو جاتی ہے جس میں جسے چنا ہو اس کے ساتھ خوش نہ رہنا۔“

”اے بارے میں سوچ سوچ کر تھک چکی ہوں سائی، کیا شخصیت ہے میری، ساری زندگی روتی رہی اتنی ہمت نہ کر سکی کہ اپنے ماحول کے خلاف ڈٹ جاتی۔ اسے بدل دیتی۔ احساس کمتری کا شکار رہی۔ میرے ماضی میں کچھ بھی قابل ذکر نہیں، میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ میں کسی کو خوش رکھ سکی نہ خود کو، میری ایک دوست کہتی ہے کہ دوسروں سے پہلے اپنا بننا ضروری ہے۔ میں کبھی اپنی نہیں بنی، بس ہر وقت بے چارے بنے رہنا، کیا ہوں میں، کمزور ہوں، جھوٹی، خود غرض، بے حس۔ کیا ہے میرے ہاتھ میں؟“

”تمہارے ہاتھ میں یہ سوچ ہے کہ تم کیا ہو۔ جب انسان خود سے سوالات پوچھنے لگتا ہے تو وہ خود کو بلندی کی طرف لے جا رہا ہوتا ہے۔“

”کیسی بلندی سائی! میں نے عالیان کے ساتھ کیا کیا۔ ویرا کے سامنے میری، میرے معاشرے کی بے عزتی نہ ہو جائے۔ میں نے عالیان کی کھل کر بے عزتی کر دی الفاظ تو وہی ہوتے ہیں ناجن پر احترام کی لگا میں ہوں، ذر نہ تو سب ہٹک ہے، انداز، آواز سب۔ اگر میں عالیان کی جگہ ہوتی تو ساری عمر امرجہ کی شکل نہ دیکھتی۔ میں اس جگہ کو ہی چھوڑ دیتی جہاں امرجہ ہوتی، میرے خاندان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن سے میں سالوں نہیں ملی بات نہیں کی، سلام نہیں کیا، انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ یہ سب لوگ وہ ہیں جنہوں نے میرا دل دکھایا تھا۔ میری تذلیل کی تھی۔ میری انتہا پسندی وہ کھو کہ کلج کی میری دوست جو میرے بارے

میں سب جانتی تھی، ایک دن میرے ساتھ چلتے چلتے لڑ گئی اور مذاقا کہنے لگی ”تمہارے ساتھ چل رہی تھی، کرنا تو تھا ہی۔“ اور پھر اس کے لاکھ منانے پر بھی میں نے اس سے کبھی بات نہیں کی۔ اس کے فلور کی ڈھنک ہو گئی۔ میں نے اس سے صرف افسوس کیا جبکہ اسے میری اس سے زیادہ ضرورت تھی۔

مجھے بس یہ یاد رہتا ہے کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ میں۔ میں۔ بس عالیان کے کھر دے سخت رویے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میں اس تکلیف کو لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ مجھے اپنی کتنی فکر رہتی ہے۔ میرا اور عالیان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے جانتے ہو، ساوھنا کو آریان کے لیے سب سے زیادہ پیسے وہ جمع کر کے دیتا ہے۔ ساوھنا سے زیادہ اسے یاد رہتا ہے کہ آریان کی سرجری کب ہونا ہے۔ وہ بھڑکتا نہیں ہے، چلاتا نہیں ہے۔ وہ کتنا ذہین ہے، جتنا تا نہیں ہے، اس کے خیالات کس قدر عظیم ہیں۔ وہ سکھانا ہے۔ اتراتا نہیں ہے۔“

”یہ سب تمہیں اب معلوم ہوا ہے امرجہ؟“ سائی اتنا افسردہ ہو گیا کہ امرجہ جان ہی نہیں سکتی تھی۔

”معلوم تو تھا قدر نہیں تھی سائی! کہنا مجھے افسوس ہے خود پر مجھ میں کچھ قابل ذکر نہیں ہے۔ مجھے ویرا اچھی نہیں لگتی، مجھے اس کی ضرورت پڑتی ہے تو میں اس سے کام لگوا لیتی ہوں، اس سے ہنس کر بات کر سکتی ہوں اور منہ پھیر کر ناپسندیدگی سے اس کے بارے میں سوچتی ہوں۔ اسے معلوم ہو کہ میں اس کے بارے میں کیسے سوچتی ہوں تو اسے بھی دکھ ہو۔ وہ مجھ سے ایک ہی سوال پوچھے۔ ”میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیا برا کیا ہے؟“

میں سب کے ساتھ برا کرتی ہوں اور بے چاری بھی خود ہی بن جاتی ہوں۔ یہ منافقت اور سنگ دلی ہے۔“

”تم ایک مشکل وقت سے گزر رہی ہو۔ لیکن امرجہ! انسان جب اپنا احتساب کرتا ہے تو وہ وقت بہت خاص ہوتا ہے۔“



ہر بار اسے انکار نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اسے احساس تھا کہ انکار کتنا بھی ٹھیک ہو، تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کافی بے نیے کے بعد انہوں نے پل پر چل قیدی شروع کر دی، شام رات کے ساتھ جانے والی تھی بارش پھوار صورت برس رہی تھی اور ویرا نے بچوں کی طرح سر اٹھا اٹھا کر آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ ساتھ اسے روس کے کھانوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

”کرسمس کی چھٹیوں میں تو روس چلو گے نا؟“  
”نہیں ویرا، میں ماما کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، ہم گرم علاقوں کی طرف سفر کریں گے۔“  
”ٹھیک ہے، لیکن کیا وہ روس نہیں آسکتی؟“  
”بہت زیادہ ٹھنڈا ان کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔“  
”پھر ڈگری کے بعد۔“

”اچھا، تو بہت وقت ہے۔“  
”تم بہت وقت پہلے ہی مجھے ہاں کہہ دو نا۔“  
وہ خاموش ویرا کے بالوں پر گرنے والی پھوار کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کہیں اور تھا۔  
”میں لاہور آنا چاہتا ہوں۔“  
”کیوں؟“

”کیوں نہ آؤں؟“  
”تم نے تو کہا تھا ابھی تم ایشیا کے سفر کا ارادہ نہیں رکھتے۔“  
”میں ایشیا کے سفر کا ارادہ ابھی بھی نہیں رکھتا۔“  
”میں لاہور کی بات کر رہا ہوں۔“  
”لاہور ایشیا میں ہی ہے۔“

”لاہور ایشیا میں نہیں، میری ٹاپ لسٹ میں ہے جہاں پہلی فلائٹ سے جایا جائے۔“  
”اچھا۔ دیکھ لو ویسے لاہور میں چھبر بھی ہوتے ہیں۔“  
”تم مجھے چھبروں سے ڈرا رہی ہو۔ ہاں تم یہی کر رہی ہو۔“

”بالکل نہیں صرف خبردار کر رہی ہوں۔ تم نے ڈننگی کا نام سنا ہے۔ اس کے کانٹے ہی انسان فوراً“

سب کھو چکا ہوتا ہے۔“  
”تم پاکستان کیوں نہیں جاتیں اپنے گھر والوں سے ملو، انہیں نئے ماحول کی اچھی اچھی باتیں بتاؤ، لوگوں سے جب تک ملنا نہ جائے وہ برے اور عجیب ہی لگتے ہیں۔ تم ذہنی طور پر اچھا محسوس کرو گی۔“  
”کیا واقعی؟“

”ہاں، یونی میں ایک لڑکی جب جب میرے قریب سے گزرتی اسے دیکھ کر مجھے لگتا کہ یہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ ایک لمبا عرصہ ایسے ہی چلتا رہا، پھر ایک دن ایک اسٹوڈنٹ نے مجھے اس کی طرف سے ایک رقعہ دیا جس پر لکھا تھا۔ ”تم مجھے پسند نہیں کرتے۔ پر کیوں؟“

”فاصلے ابہام پیدا کرتے ہیں اور ابہام شیطان کا پہلا ہتھیار ہے کیوں کہ یہ ہر مثبت جذبے اور سوچ پر حملہ آور ہو کر اسے جت کر ڈالتا ہے۔“  
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو سائی! لیکن عالیان کیوں اس ابہام کے زیر اثر آ رہا ہے۔“  
”تم جانتی ہو امرد! میں کسی کی بتائی کوئی بات نہیں کر سکتا۔“

”ٹھیک ہے، لیکن مجھے کوئی مشورہ۔۔۔“  
سائی اسے دیکھ کر رہ گیا وہ اسے ایسا کیا مشورہ دے سکتا تھا جو سب ٹھیک کر سکتا۔ اس کے پاس بلاشبہ ایسے لفظ تھے نہ ایسا جاوے۔  
”بہت دیر نہیں ہونی چاہیے کہ انتظار پر فرمان غالب آجائے۔ اور فراق کو رخصت ہونے کی اجازت نہ ملے۔“

سائی ہولے سے بیدار ہوا کہ امرد نے سن لیا۔ اسے یاد آ رہا تھا یہ جملہ اس نے کہیں پڑھا تھا۔ کہاں۔ ہاں اوک ہاؤس سے ملنے والی ڈائری میں۔ اس ڈائری کے جملے کو استعمال میں لایا جانا امرد کو محسوس لگا۔

\*\*\*

ویرا اسے کافی کے لیے کھینچ کر آئی تھی جو



جیسے اس ایک لمبے لمبے کے لمبے میں وہ ہر وقت چلتا ہوا  
نظر آتا ہے۔ میں پیدا انٹی اندھی ہو جاتی، لیکن ایسی  
اندھی نہ ہوتی کہ مجھے میرا بیٹا نظر نہ آئے، لیکن اسے  
دھتکار دینے والا شخص ہر جگہ نظر آئے۔ تو کیا مجھے  
ایسی بے اختیاری پر کوڑے نہیں برسانے چاہئیں۔  
عالیان نے اپنی ایتھلی میں بارش کی پھوار سمیٹی۔  
”ٹھیک ہے ہم ضرور چلیں گے ویرا!“ اپنی بے  
اختیاری کو اس نے بھی معاف نہ کیا۔

چند دنوں بعد وہ رات کو شٹل کاک آیا اور ماما مری  
گود میں سر رکھ کر لیٹا رہا۔ وہ چھت کو دیکھ رہا تھا پھر وہ  
دیوار پر ٹنگی تصویر دیکھنے لگا پھر اس کی نظریں کھڑکی سے  
باہر بھٹکنے لگیں۔

”کیا تلاش کر رہے ہو؟“  
”آپ کو کچھ بتا کر کھلاؤں؟“ سالی ٹھیک کہتا ہے وہ  
بات بدلنے میں ماہر ہو چکا ہے۔  
”رات کے اس وقت؟“  
”کیا وقت ہوا ہے؟“

”نہیں آئے آؤھا گھنٹہ گزر چکا ہے اور تم ایسے  
خاموش ہو کہ مجھے لگ رہا ہے کہ تم نے کئی دنوں سے  
کسی سے بھی بات نہیں کی، اس بتا رہی تھی یونی میں  
بھی تم ایسے ہی رہتے ہو، منہ کھولو اور مجھے اپنی زبان  
دکھاؤ اس میں ضرور کوئی مسئلہ ہو گا۔“

اس نے فرماں برداری سے منہ کھول کر زبان دکھا  
دی۔

”اب کھڑکی کے پاس جاؤ اور زور سے چلاؤ مجھے  
معلوم ہو کہ تم میں کتنی قوت باقی ہے۔“

وہ کھڑکی کے پاس آیا۔ باہر امرہ کھڑی اسی کھڑکی  
کی طرف دیکھ رہی تھی بظاہر اس کے ہاتھ میں فون تھا  
اور وہ ٹھنڈ میں ٹہل رہی تھی۔

”چلانہ پڑنا۔ آ جاؤ۔“

وہ واپس آکر بیٹھ گیا۔ ”این کو آپ نے میرے  
پچھے جاسوسی کے لیے لگا رکھا ہے؟“

”اسے چھوڑو یہ بتاؤ کہ اتنے مشینی مشینی سے  
کیوں ہو رہے ہو۔ تم میں جو خاصی نری کا عنصر ہوا

سے پہلے مرجاتا ہے۔ بالکل جھٹپٹ۔“

”تو لاہور میں ایسا فوری مار دینے والا ڈھنگی ہے  
’ورنہ دو تین گھنٹے تو دنیا کا ہر ڈھنگی چھردے دیتا ہے  
مرنے کے لیے۔“

”ہمارے پاس وی آئی پی ڈھنگی ہے۔ اپنے  
رسک پر لاہور آنا مجھ سے شکایت نہ کرنا۔“

”کیا وہ لاہور والوں کو نہیں کاٹتا؟“  
”نہیں۔ یہی تو اس کی خصوصیت ہے وہ غیر  
ملکیوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔“

”جب میں لاہور جاؤں گا تو کیا میں بھی غیر ملکی ہوں  
گا اس کے لیے۔“

”ڈھنگی کے لیے؟“  
”نہیں لاہور کے لیے۔“

”روس کی برف کو جانتے ہوتا“ پھر نہ کہنا بتایا  
نہیں۔“

”ہاں اس کے کانٹے سے انسان مرجاتا ہے۔“  
”ہاں ہاں برف کا تھی نہیں عالیاں۔!“

ہلکی سی جھرجھری کا وہ شکار ہوا۔ وہ ویرا تھی اور  
ہنستی جاری تھی۔

”میں نے تو ولید کو اتنا لمبا عرصہ سنا بھی نہیں تھا،  
مٹھی سے ریت کی طرح پھسل جانے والے زندگی کے  
صرف چند سال ہی اور ان چند سالوں میں ہی اس نے  
مجھے اپنے سوائے سب کے لیے بہرہ کر دیا اور دو سروں  
کے لیے گونگی تو میں تب ہی ہو گئی تھی جب اس سے  
ہم کلام ہونا شروع ہوئی تھی۔ یہ وہ ابتدا تھی جو اس کے  
جانے کے بعد انتہا کو پہنچی۔ میں عالیاں کو دیکھتی ہوں  
تو سوچتی ہوں اتنی غلطیاں کر چکی ہوں اور نہ کروں اور  
میں پھر غلطی کر جاتی ہوں، میں ولید کے لیے آنسو  
بہانے لگتی ہوں۔ میں یہ غلطی اپنی ہر سانس کے ساتھ  
کرتی ہوں اگر دنیا میں مجھے کسی کو نصیحت کرنے کا  
موقع دیا جائے تو میں نصیحت کروں گی کہ ”خود کو ختم  
کر دینے کے ہزاروں طریقوں میں سے ”محبت“ کو  
سب سے آخر پر بھی نہ رکھیں۔ زندہ در گور ہونے  
کے لیے کسی اور جذبے کا انتخاب کریں۔“



تیار رہتی ہے، وہ حسد و رشک سے پاک ہے اس میں بہت سی خوبیاں ہیں ماما۔“

”تم نے ویرا کی بات ایک دم سے ایسے کی جیسے اس کی وکالت کر رہے ہو، لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ وکالت تم نے میرے لیے کی یا خود اپنے لیے۔“ اس آخری بات نے عالیان کے چہرے کے سب ہی رنگ نچوڑ لیے۔

”عالیان! دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو مجھے ناپسند ہو، کیوں کہ میں کسی نہ کسی طرح سے قاتل نفرت انسانوں سے بھی محبت کرنے کا راستہ نکال لیتی ہوں اور مجھ پر یہ گراں نہیں گزرتا۔“

”نہیں کسی سے نفرت نہیں کرتا ماما سوائے ایک کے۔“

”ہم کتنوں سے محبت کرنے کے قاتل ہو چکے ہیں اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ہم کتنوں سے نفرت کر رہے ہیں انسان ”محبت“ میں کورا ہونہ ہو نفرت میں ”کورا“ ضرور ہونا چاہیے، کوئی نقطہ کوئی نشان نہیں ہونا چاہیے اس جذبے کے نام پر۔“

”میں اس شخص سے محبت نہیں کر سکتا۔ میں مارگریٹ نہیں بن سکتا۔“

”میں صرف اسی کی بات تو نہیں کر رہی۔“ انہوں نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”پھر مجھے پتا نہیں، آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟“

”مجھے ڈر تھا عالیان! کہ ایک دن تم ضرور مارگریٹ کو لے کر بہت سوچا کرو گے۔“

”ماما کے بارے میں سوچنا برا ہے کیا؟“

”مارگریٹ کے بارے میں سوچنا نہیں۔ بس اس کے ساتھ جو ہوا، اس کے بارے میں سوچنا۔ تم میری اولاد ہو، تمہاری آنکھ کی پتلی کی حرکت بھی پہچانتی ہوں میں۔ ان آنکھوں کے رنگ اور چمک کہاں کم کر آئے ہو۔ یہ پوچھا نہیں تم سے۔ ابھی بھی نہیں پوچھوں گی۔ صرف اتنا کہوں گی کہ پرسکون رہو۔ جلد باز مت بنو۔ خود کو وقت دو۔ ٹھہراؤ خود کو۔“

”میں جلد باز تو نہیں ماما۔“

”رہا ہے وہ کہاں ہے؟“

”کیا میرا رویہ برا ہے؟“

”برا نہیں عجیب۔ سما دینے والا۔ کیا یونی میں پھر کسی لڑکی نے تمہیں پڑپوز کر دیا ہے جسے انکار کر کے تمہیں اس کا دل توڑنا ہے اور تم اس کے لیے حساس ہو رہے ہو۔“

”نہیں! اس نے ہنسنے کی کوشش کی۔“

”تو کیا تم نے کسی کو پڑپوز کیا ہے اور اس نے انکار کر کے تم سے ان آٹھ دس لڑکیوں کے بدلے لے لیے ہیں؟“

”گرگس کی چھٹیوں میں میرے ساتھ چلیں گی ماما؟“

”میں۔ مجھے کہاں کہاں سنبھالتے پھوگے۔“

”کارل تم ویرا! مردہ سب مل کر جانا۔“

”آپ ہر بار انکار کر دیتی ہیں۔“

”انکار نہیں کرتی، تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی، کیا تم مجھے سویڈن لے کر جانا چاہتے ہو؟“

”ہرگز نہیں مجھے سویڈن نہیں پسند۔“

”تم کتنا بدل رہے ہو عالیان! جب تم واپس آئے تھے تو تم نے کہا تھا۔“

”وہ بیان غیر حقیقی تھا ماما۔ حقیقت یہ ہے کہ اب مجھے کبھی سویڈن نہیں جانا۔“

”تمہیں جلد شادی کر لینی چاہیے۔ بس۔ اس سے پہلے کہ تمہیں سب غیر حقیقی لگنے لگے۔“

”میں ایک نارمل انسان ہوں ماما، فکر نہ کریں۔ میں اینارمل نہیں ہوں گا۔“

”تمہیں امرتہ کیسی لگتی ہے؟“

”آپ کو ویرا کیسی لگتی ہے؟“ اس نے فوراً کہا۔

”ویرا؟“

”جی۔ وہ ایک سمجھ دار لڑکی ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانوں کی عزت کرنا جانتی ہے اس کی وہ سری بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو بہت اچھی طرح سے سمجھتی ہے، میں نے اسے بے غرض اور پر خلوص پایا ہے۔ وہ ہر ایک کی مدد کے لیے



”تم مجھے اپنی طرف سے مزید حرم مند کر رہی ہو  
 مرحہ۔!“

”دادا! ابھی میں خوش ہوتی ہوں تو فوراً غم زدہ  
 ہو جاتی ہوں زندگی اچھی لگتی ہے تو فوراً بری بھی لگنے  
 لگتی ہے بھاگتے بھاگتے پھر چلنے کی ہمت رہتی ہے  
 ناچا۔ میری ایک کلاس فیلو کہتی ہے کہ ایسی کیفیات  
 خطرناک ہوتی ہیں۔ آپ کسی کنارے کھڑے ہوتے  
 ہیں اس طرف آتے ہیں نہ اس طرف جاتے ہیں۔“  
 ”تمہیں کس طرف جانا ہے وہ بتاؤ مرحہ۔؟“ دادا  
 کی آواز کھردری ہو گئی۔

”حسب نسب نہیں ہے میرے پاس کیسے  
 بتاؤں۔“ سر پر لٹکتی تلوار کو اس نے گر جانے دیا دونوں  
 کے درمیان سکوت رہا اگلی بات کرنے میں دادا نے  
 کافی وقت لیا۔  
 ”کون ہے وہ۔؟“ ان کے انداز میں حوصلہ افزائی  
 ناپید تھی۔

”دوست۔“  
 ”خرابی دوستی سے ہی شروع ہوتی ہے۔“  
 ”نہیں۔ خرابی گھٹن سے شروع ہوتی ہے۔“  
 اگلی بات کرنے میں دادا نے پھر وقت لیا۔  
 ”تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟“

”مجھ سے یہ نہ پوچھیں جو میں آسانی سے بتا رہی  
 ہوں وہ میرے لیے اتنا آسان نہیں رہا۔“  
 ”میری سماعت پر یہ جتنا گراں گزرا ہے تمہاری  
 زبان پر نہیں گزرا ہوگا۔ تم پاکستان آؤ گی تو یہ باتیں  
 ہوں گی۔“

وہ سختی سے ہنسی۔ ”دادا! آپ چاہتے ہیں کہ بس  
 میں پاکستان آ جاؤں۔ آپ کی احتیاط اچھی ہے کہ اس  
 طرح دور بیٹھے باتیں کرنے سے بات بڑھ جائے گی۔  
 میں آپ کے ہاتھ سے نکل جاؤں گی میں جو یہاں اتنی  
 دور اکیلی ہوں۔ کچھ بھی کر سکتی ہوں اور اگر یہیں کی  
 یہیں رہ گئی تو آپ کیا کریں گے۔“

دادا نے کوئی جواب نہیں دیا۔  
 ”میں نے اتنی بڑی بات کہہ دی اور آپ خاموش

”ہاں نہیں ہو۔ میں جن معاملات میں ہم  
 ہو جاتے ہیں اور ہمیں خود کو پتا نہیں چلتا۔“ وہ خاموش  
 ہو گیا۔ ایک جملہ اس کے ذہن میں بجنے لگا۔  
 ”پہلے اس نے مجھے یہ بتایا کہ میں اس کے لیے کس  
 قدر ضروری ہوں پھر اس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ میں  
 کتنی غیر ضروری تھی۔“

\*\*\*

دادا کا اجاڑ پلاٹ بک گیا تھا اور انہوں نے لیڈی مہر  
 سے قرض لی رقم واپس کرنے کے لیے اسے دے دی  
 تھی اور کچھ مزید رقم بھی مانگے وہ دائم کو دے سکے  
 ”دائم کو پیسے میں دلوں گی۔“

”اب جب پیسے ہیں تو اسے دے دو مرحہ! تم  
 صرف دل لگا کر بڑھو بے شک جب چھوڑ دو۔“  
 ”نہیں دادا! جو کام میں نے اپنے ذمے لیے ہیں  
 میں وہ خود ہی کروں گی۔“

”تمہارا آخری سال ہے میرا مشورہ ہے کہ جب  
 چھوڑ کر بڑھو تمہیں اب اخراجات کے لیے پریشان  
 ہونے کے ضرورت نہیں ہے میں نے سب پیسے  
 تمہارے اور دانیہ کے لیے رکھے ہیں۔“  
 ”سب دانیہ کے لیے رکھ دیں

مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“

”تو اب تمہیں کیا چاہیے مرحہ۔ تمہیں باہر آنا  
 تھا تم آگئیں اب سے پہلے تک تم بہت خوش خوش  
 مجھ سے بہت ساری باتیں کیا کرتی تھیں پچھلے دنوں تم  
 اس لیے اتنا اداس رہیں کہ تمہارے بہت سے یونی  
 فیلوز چلے گئے۔ اب نئی وجہ کون سی ہے اداسی کی مجھے  
 بتاؤ تمہارا آخری سال ہے یونی میں دل لگا کر صرف  
 پڑھو۔“

”یاد ہے مجھے یہ میرا آخری سال ہے۔ لگتا ہے  
 دادا زندگی کا ہی آخری سال ہے۔“

”اب ایسی باتیں کرنے لگی ہو۔؟“  
 ”معلوم نہیں دادا! لیکن اس سے آگے مجھے زندگی  
 نظر نہیں آتی۔ سب ختم ہو سا لگتا ہے۔“



ہیں۔

”تم بھی خاموش رہو امرحہ۔ میں جان گیا ہوں کہ اس میں ضرور ایسی کوئی خرابی ہے کہ اس کے بارے میں بات کرتے تمہارا انداز ایسا ہے۔“

”وہ ایک عیسائی عورت کا بیٹا ہے اور میں اس کے بارے میں نہیں جانتی وہ ایک اچھا انسان اور ایک اچھا مسلمان ہے بلکہ۔“

”امرحہ! میں پاکستان میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تمہیں پاکستان آنا ہے۔“

اور دادا نے بھی وہی انداز اپنا لیا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئی اس نے محسوس کیا کہ وہ کئی گھنٹے بت بنی بیٹھی تو رہ سکتی ہے لیکن دادا کے اس انداز کے بعد بولنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ وہ دادا کو بتانا چاہتی تھی کہ اس نے کسی کی پلکوں سے افشاں چن لی ہے۔ وہ جو چار قدم اس سے دور جاتی تھی اور دو قدم اس کی طرف بڑھاتی پھر پلٹ جاتی تھی وہ اب عین اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی ہے اور وہ دادا کو یہ بھی بتانا چاہتی تھی کہ ان کا اس پر اور خود اس کا خود پر اختیار نہیں رہا۔ اور یہ بھی کہ اب اگر وہ پلٹی تو پھر کی بن جائے گی نہ وہ ان کے کام کی رہے گی نہ اپنے۔ اس نے اتنا سب جان لیا ہے تو ہی ایسے دادا سے بات کی ہے۔

”امرحہ! میں پاکستان میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ دادا کو پھر سے کہنا پڑا۔

اسے دادا کے انداز پر غصہ آگیا دکھ بھی ہوا اس کا دل چاہا جواب دیے بغیر لاگ آف ہو جائے۔ لیکن وہ بھڑک کر یہ کہنے سے خود کو روک نہیں سکی۔

”آپ چاہتے ہیں میں خود پر زندگی حرام کر لوں اس دروازے پر دستک دوں جو صرف مرنے والوں کے لیے کھلتا ہے۔“

”مرنے کی بات کر رہی ہو امرحہ! پھر یہ بھی یاد رکھنا بوڑھوں پر موت بنا کسی تردد کے جلد مہیاں ہوتی ہے۔“

امرحہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

دادا چلے گئے۔

”کیا ہوا ایسے کیوں بیٹھی ہو؟“ سادھنا نے کمرے کے آگے سے گزرتے اسے دیکھا تو اندر آگئی۔

”زندگی میں کون سا مقام ایسا ہوتا ہے سادھنا کہ لگنے لگتا ہے کہ بس اب زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟“

”جب ہم کچھ ایسا کر گزریں جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔“ سادھنا کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

”آیا کیا؟“

”میں دوسروں کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن میں نے اپنے لیے ایسا محسوس کیا تھا“ آریان کے پیلا سے پسند کی شادی کی تھی۔ ہم دو مختلف ذاتوں سے تھے۔ میرے گھروالے نہیں مان رہے تھے پھر ہم نے خود شادی کر لی اور جب ہمیں آریان کی بیماری کے بارے میں معلوم ہوا، مجھے لگا مجھے میرے ماتا پتا کی بد دعا لگی ہے۔ میں ان سے پہلے ہی معافی مانگ چکی تھی وہ مجھے معاف کر چکے تھے لیکن میری ماں نے ایک بات کہی تھی وہ بولیں ”تم نے تو اپنی خوشی جی لی اور اب ہمیں اپنا دکھ مرنے سے تک کاٹنا ہے۔ ہم تمہارے دشمن نہیں تھے۔ بس سماج میں سر اٹھا کر چلنا تھا۔ تم نے ہمارا سر ہی کٹ ڈالا۔ دھن دولت قسمت سے“

”غلط وہ نہیں تھے غلط میں بھی نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں پر مجھے ایسا لگتا ہے امرحہ کہ ماں باپ اور اولاد اگر آمنے سامنے ہوں اور دونوں ہی غلط ہوں اور دونوں ہی ٹھیک۔ تو بھگوان ان دو میں سے ماں باپ کا ساتھ دیتا ہے کیونکہ جو ماں سماں ان کا ہوتا ہے وہ ہمارا نہیں ہوتا۔ اس وقت میں نے سوچا تھا۔ میرے پاس ریمیں نہ ہوتا آریان بھی نہ ہوتا۔ میرے ماتا پتا کے پاس ان کا ماں سماں ہوتا۔“

امرحہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

اگلے دنوں دادا نے اس سے بات چیت ہی بند کر دی۔ وہ کتنی ہی فون کالز کرتی وہ فون نہ اٹھاتے لاگ آن نہ ہوئے یہ ان کی ناراضی کا عملی ثبوت تھا۔



”تم کس قدر ضدی ہو عالیاں!“  
 ”ہاں۔ میں بہت ضدی ہوں۔“  
 ”تم نے کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔“  
 ”کرنا تھا اور بیکو اس کر رہا تھا۔“

”جھوٹ بول رہے ہونا تم۔ جھوٹ۔ ایسی ہی بات تھی تو سائی کے منہ سے پال کے حملے کا سن کر تم اپ سیٹ کیوں ہو گئے تھے پال مجھ پر دوبارہ حملہ نہ کر دے تم اسٹور سے گھر تک مجھے چھوڑنے کیوں آتے رہے تھے۔ رافیل کو تم نے جھیل میں دھکا دے دیا کیونکہ وہ بار بار مجھے تنگ کر رہا تھا۔ کارل کو تم نے فائر کر کے گرایا تھا کہ میں ریس جیت لوں۔ اتنے سارے سچ ہیں اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”تم خوش فہمی میں مبتلا ہو امرجہ! کارل پر فائر کرنے کے لیے مجھے ویرانے کہا تھا وہ جانتی تھی کہ اگر تم ہار گئیں تو دوبارہ کبھی کسی سے مقابلہ نہیں کر سکو گی۔ وہ ہر حال میں تمہیں جیتا ہوا دکھنا چاہتی تھی۔ کارل کے ساتھ کوئی بھی یہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا تو میں نے کر دیا صرف ویرانے کے لیے۔“

”صرف ویرانے کے لیے؟“ امرجہ کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

”تم نے بھی یہ غور ہی نہیں کیا کہ دوسرے تمہارے لیے کیا کچھ کرتے ہیں؟ انہیں تمہاری کتنی فکر ہے۔ تمہیں صرف اپنی نادانی کی فکر ہے۔ پال نے تم پر حملہ کیا۔ مجھے یہ جان کر دکھ ہوا تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا مجھے دکھ ہوتا۔ کارل نے خاص جا کر پال کو سمجھایا۔ یعنی اسے بھی دکھ ہوا۔ ایسا ہونا نارمل ہے اور جے پیٹر سن کے کہنے پر ہم تین لوگ تمہیں گھر تک چھوڑتے رہے تاکہ پال دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ خود جے پیٹر سن کتنی ہی راتیں یہ ڈیوٹی دیتا رہا۔ یہ میری ڈیوٹی تھی امرجہ! اور رافیل کو صرف اس لیے دھکا دیا کیونکہ وہ پرائنک کا ماسٹرمانڈ تھا۔ اس نے ملا کو اداں کر دیا تھا۔“

”یہ سب جھوٹ ہے عالیاں۔ یہ سب تم خود کرنا چاہتے تھے۔ خود۔“

صرف ابھی بات کرنے پر امرجہ کو ایسی صورت حال کا سامنا تھا۔ اس نے فیصلہ سنا دیا تو وہ جان دے کر ثبوت دیں گے کہ وہ کھود ضدیوں میں سے اس بڑھے ضدی کی جیت ہوئی۔

دانیہ نے اس سے بات کی۔

”کیا کہا ہے دادا سے تم نے ایسا۔ وہ تو کسی سے بات ہی نہیں کر رہے۔“

”میں نے ان سے پیسے لینے سے انکار کیا تھا۔“

”اب وہاں جا کر تم اتنی بڑی ہو گئی ہو امرجہ! کہ دادا کو انکار کرنے لگی ہو۔ تمہاری تو جان ہے دادا میں سے ہے نا؟“

دانیہ طنز کر رہی تھی یہ بات اسے تھپڑ کی طرح لگی۔ وہ اعلان کیا کرتی تھی کہ دادا اس کی جان ہیں تو اب اس جان کا خیال کیوں نہیں رہا اسے۔ وہ اسے جذباتی بلیک میل نہیں کر رہے تھے جس پر اسے وقتوں کے آدمی تھے تو اتنی بڑی بات سنبھال نہیں سکے۔

عیسائی ماں لاپتا باپ۔ گھرنہ خاندان نام نہ نشان۔

وہ ان پیغامات کو کس دل سے عالیاں کو دیتی جو کئی راتوں سے وہ لکھ رہی تھی۔ وہ دادا کی جان پر رحم کرتی تو اپنی جان کا کیا کرتی۔ دادا سے بات کرنے سے پہلے ہی تو اس نے ان پیغامات کو عالیاں کو دینے کی کوشش کی تھی اور اچھا ہی ہوا اس نے انہیں نہیں لیا۔

\*\*\*

”یہ تمہارے لیے چند پیغامات میں نے بہت جرات سے لکھے ہیں پلیز انہیں پڑھ لو۔“

”میں بھی سیف روم میں جا کر لگا دو۔“

”دنیا دکھاوے کے لیے نہیں ہیں یہ عالیاں۔!“

”ان میں جو لکھا ہے وہ میں ہارٹ راک میں سن چکا ہوں۔“

”ان میں جو لکھا ہے وہ سنا گیا ہے نہ کہا۔“

”مرجہ! اب تمہیں جو کہنا ہے وہ سننے کے لیے میں خود کو موجود نہیں پاتا۔“



”عالیان بھی ہو گا وہاں؟ اس نے پوچھا۔

”ہونا تو ضرور چاہیے۔“

عالیان بھی وہاں ہو گا وہ سوچ کر این کے ساتھ آہی گئی۔ ایک سو بیس فٹ اونچا برنگ مین میدان کے عین درمیان میں ایستادہ تھا۔ اس پاس آگ کے کئی کرتب ہو رہے تھے ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ کوئی منہ سے نکال رہا تھا، کوئی ہاتھ میں لے کر اچھل رہا تھا کوئی کمر کے گرد گھما رہا تھا۔ کہیں آگ کی سائیکل چلائی جا رہی تھی کہیں آگ سے جلتی تنی رسی پر چلا جا رہا تھا اور کہیں آگ سے جلتے دائروں میں فلا بازیاں لگائی جا رہی تھیں۔ ہر دس قدم پر آگ ایک نئے انداز سے موجود تھی۔ رش بہت زیادہ تھا، وہ این اور این کی ایک دوست کے ساتھ ساتھ گھومتے رہے، وہ عالیان کو ڈھونڈ رہی تھی۔ این نے بھی منہ میں تیل ڈال کر آگ منہ سے نکالی اور ایسا کرتے اس کی بھنوں کے بل صفائی سے صاف ہو گئے۔

”کتنی پیاری لگ رہی ہو اب تم، ویسے ہی تمہاری بھنوں پر چار بال تھے وہ بھی برواشت نہیں ہوئے تم سے۔“ این کی دوست نے چارہ ہی گئی۔

”تم بھی کرو امرد؟“ امرد نے ناں میں سر ہلایا۔

”کب لگے گی اسے آگ؟“ امرد نے پوچھا۔

”بارہ بج کر ایک منٹ رہے۔“

”یورپ والے بھی اچھے فارغ لوگ ہیں بتا نہیں کیا کیا کرتے رہتے ہیں۔“ امرد نے تبصرہ کیا سب بہت انجوائے کر رہے تھے لیکن اسے کوئی مزا نہیں آ رہا تھا۔ ”دنیا ان ہی کھیل تماشوں سے سچی ہے امرد!“

”اچھا! ویسے تم آج کل کس جاپانی فلسفی کو پڑھ رہی ہو؟“ امرد چڑ گئی۔

”این اون کو۔“ این نے دانت نکالے جو امرد کو اچھے لگے چھوٹے چھوٹے بچوں سے۔

”یہ تمہارے دووہ کے دانت ہیں نا؟“

”نہیں! دانت کے دانت۔“ اس نے اور زیادہ دانت نمایاں کر کے کہا۔

”بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔“ امرد ہنس

”جو میں خود کرنا چاہتا ہوں وہ صرف اتنا ہے کہ میں

تم سے دور رہنا چاہتا ہوں۔“

”جن سے ایک بار محبت کی جاتی ہے ان سے

نفرت کرنے کا گناہ نہیں کرنا چاہیے۔“

”جن سے ایک بار دھتکار ملے ان کے پاس پلٹ

کر جانے کا جرم نہیں کرنا چاہیے۔ میری زندگی کی

سب سے بڑی غلطی پریڈ میں تمہارے پیچھے آنا تھا۔

میں تمہارا کھلونا نہیں ہوں۔ امرد!“

”تمہیں کیا پتا! میں کس کس کا کھلونا ہوں۔“ وہ

سوچ کر رہ گئی اور کہہ نہ سکی۔

”یونیورسٹی بھری پڑی ہے کسی کو بھی جا کر دوست

بنالو۔“ اس کا انداز بھی ایسا نہیں ہوا تھا جیسا اب

ہو گیا تھا۔

امرد اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ ”دوست“ ہاں وہ

دوست۔ دوستی ہی تو کر رہی تھی تب بھی۔ اب

بھی۔

”ٹھیک ہے وہ دادا سے بات کرے گی۔“ اس نے

اپنی اور اس کی آخری ملاقات میں سوچا تھا۔ وہ بات

کر چکی تھی۔ اور دادا کے ایسے ناراض ہونے پر سوچ

رہی تھی کہ ابھی وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔

”وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔“ یہ اس کا اپنا خیال

تھا کیونکہ ”برنگ مین“ جلنے کے لیے تیار کیا جا چکا

تھا۔ وہ پورے کا پورا جل جائے گا۔ آگ کی لپٹیں

اس میں سے اٹھیں گی اور وہ دیکھتی رہ جائے گی۔

”بلیک روک ڈیزرٹ“ میں ہونے والے برنگ

مین طرز کا فینٹیول ایک دوسری کمپنی ہانچسٹر شہر سے ذرا

دور کروا رہی تھی۔ یہ فینٹیول صرف ایک رات پر

مشتعل تھا جو ایک بہت بڑے میدان میں ہو رہا تھا۔ وہ

جانب سے گھر جا رہی تھی کہ این اسے لینے آئی۔ ویرا

اسے پہلے ہی جانے کے لیے کہہ چکی تھی، لیکن وہ

نہیں گئی وہ اپنے آپ میں اتنی گم صم سی ہو گئی تھی کہ

نہ کسی سے بات کرنے کو دل چاہتا نہ ہی ملنے کو۔

”چلو وہاں ساری یونی اکتھی ہوئی ہوگی، مرے جا

رہے تھے سب وہاں جانے کے لیے۔“



پولی (Fire Poi) تھام لی اور اسے اپنے ساتھ تیزی سے گول گول گھمانے لگی۔ آگ کی لہریں اس کے جسم کے ساتھ گول دائروں میں مختلف اشکال میں کئی رنگوں میں بنتی چلی گئیں۔ وہ اسے کمر کے پیچھے لے گئی، سر سے اوپر دونوں پیروں کے نیچے سے پھر سر کے اوپر۔

فائر پولی اس کے وجود کے ہم آہنگ ہو گئی وہ اتنی تیزی اور کمالیت سے اس کے نت نئے کرتب دکھا رہی تھی کہ لگتا تھا کہ وہ ساری عمر صرف اسی کھیل کو کھیلتی رہی ہے اس نے صرف اسی کو مشق کی ہے۔

اگر وہاں اس کے سامنے عالیان موجود نہ ہوتا تو امرحہ ضرور داد و تحسین سے اس کی طرف دیکھتی۔ لیکن اب جتنی آگ ویرا کے ہاتھ میں تھی اس سے کہیں زیادہ امرحہ کی نظر میں تھی۔ امرحہ کا دم کھٹ رہا تھا۔ اس کی بھی حسیں انشت بدنداں تھیں۔

اب ویرا نے عالیان کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ آس پاس موجود پولی فیلوز ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ امرحہ نے اپنے دل پر آگ کی لپٹیں محسوس کیں۔ اس نے ذرا غور کیا اپنی غلط فہمی دور کرنی چاہی، لیکن وہ اور بڑھ گئی ویرا نے وہی لباس پہن رکھا تھا جو اس نے پینٹ ہاؤس کے شوکیس سے ڈرا کیا تھا اور جو بن کر اسے اتنا اچھا نہیں لگا تھا وہ ایک دوبار اسے یونیورسٹی پہن کر جا چکی تھی پھر وہ ایک عرصے تک اس کی وارڈ روپ میں بڑا رہا امرحہ کو لگتا تھا وہ اب اسے پھینک دے گی۔ لیکن اسے پھینکا نہیں گیا تھا۔

عالیان کھڑا تھا اور ویرا کے کرتب ختم ہونے میں نہیں آرہے تھے اور پھر وہ رک گئی تھیں عالیان کے سامنے بہت کم۔ بہت ہی کم فاصلہ رکھ کر۔ اس نے کچھ کہا۔

عالیان خاموش اسے دیکھتا رہا۔

اتنی دور سے۔ اتنی زیادہ دور سے بھی اسے یہ سننے میں ذرا مشکل نہ ہوئی کہ ویرا نے اس سے کیا کہا ہے۔

”میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ روس چلو گے پاپا سے ملنے؟“ بارہ گھنٹے بجے اور مجمع میں سکوت چھا گیا اور پھر بارہ ایک کا گھنٹہ بجا۔

”بالکل جیسے تمہاری سائیکل چلتی ہے۔“

امرحہ کی نظر کارل پر گئی جو منہ سے آگ نکال رہا تھا۔

”آگ، آگ کو آگ لگا رہا ہے۔ خدا کرے آگ ہی لگ جائے۔“

این کارل کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ کارل کافی کرتب دکھا رہا تھا آگ سے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اسے دیکھ رہی تھی۔ سائی بھی اسے وہیں مل گیا۔

”تم نے تو کہا تھا تم نہیں آؤ گی؟“ سائی کچھ خوش نہیں ہوا تھا اس کے وہاں آنے سے۔

”بس این لے آئی۔ عالیان کو دیکھا ہے تم۔ آیا ہے وہ؟“

”آیا تو ہے وہ اب پتا نہیں کس طرف ہے۔ تم نے وہ ڈھانچہ دیکھا ہے جس پر سب اپنی زندگی کے پچھتاوے لکھ رہے ہیں۔ پھر وہ ڈھانچہ بھی جلایا جائے گا۔ آؤ وہاں چل کر کچھ لکھیں۔“

وہ سائی کے ساتھ آگئی۔ ایک روتے بس روتے آدمی کی شکل کا ڈھانچا تھا۔ صرف سر جو میدان میں پڑا تھا اور اتنا بڑا تھا کہ کوئی سوا فرد بیک وقت اس پر اپنے پچھتاوے لکھ رہے تھے۔

”میں تا عمر پچھتاؤں گی کہ میں نے تمہارا بہت دل دکھایا، میں تمہارے لیے بہت زیادہ تکلیف کا باعث بنی عالیان۔“

سائی کو وہیں چھوڑ کر وہ عالیان کو ڈھونڈنے لگی وہ تو اسے نظر نہیں آیا ویرا اسے پشت سے نظر آگئی۔ وہ کسی کے کان میں بات کر رہی تھی اور جب وہ ذرا پیچھے ہوئی تو امرحہ کو معلوم ہوا کہ وہ کان عالیان کا تھا۔

دونوں نے سیدھے کھڑے ہو کر منہ سے آگ نکالی ایک ساتھ پھر ان کے دو کلاس فیلوز نے نکالی پھر ان دونوں نے نکالی جو کافی دور تک گئی۔ شاید ان دونوں کے گروپس میں کوئی شرط لگی تھی۔

مجمع میں کھڑی امرحہ اکیلی ہو گئی۔

جب وہ منہ سے آگ نکالنے سے فارغ ہو چکے تو ویرا نے عالیان کو کھڑا ہونے کا اشارہ کیا اور ہاتھ میں فائر



امرحہ نے اسو اس زمین پر لڑنے لے جہاں الاؤ  
ہی الاؤ دھک رہے تھے۔ ”تو عالیان ویرا کے ساتھ آگے  
بڑھ رہا ہے۔ کہانی کا یہ وہ موڑ تھا جو اس کے دل کی  
آنکھ سے او جھل تھا۔  
”اگر ہم کچھ نہیں پاسکتے تو ظاہر ہے اسے کوئی اور پرا  
لیتا ہے۔“ سائی کے لیے مشکل تر ہو گیا اس کی طرف  
دیکھ کر بولتے رہا۔

امرحہ تیزی سے آگے بڑھی۔  
”کہاں جا رہی ہو امرحہ؟“  
”گھر۔“

”اتنی جلدی! دیکھو ابھی تو برنگ مین جلنا شروع  
ہوا ہے۔“ اس نے اس کا دل بھلانے کی اپنی سی  
کوشش کی۔

”وہ تو کب کا جل چکا۔“ وہ آگے بڑھ گئی رش کو  
برے کرتی ہوئی رش سے برے ہوتی ہوئی۔ سائی اس  
کے پیچھے لپکا لیکن اس کی رفتار کے ساتھ اسے پانہ سکا۔

ایک چنگاری اڑتی ہوئی... اس کے فرش پر دوپٹے پر  
گر گئی۔  
”یہ تو ہونا ہی تھا۔“ وہ بوڑھائی۔  
”کیا یہ ہونا تھا؟“ وہ کراہی۔

وہ ساری یادیں ذہن سے کھرچ ڈالے گی صرف  
اس ایک منظر کو ذہن سے مٹانے کے لیے جو اس نے  
ابھی ابھی دیکھا تھا۔ ویرا اور عالیان۔ عالیان اور ویرا۔

وہ اسے پسند کرتی تھی وہ یہ جانتی تھی وہ اسے شادی  
کے لیے پسند کرے گی وہ یہ نہیں جان پائی۔  
”امرحہ تمہارا دوپٹہ!“ اس چلائی۔  
اس کے دوپٹے کا فرش پلو آگ پکڑ چکا تھا اس کے  
بال بھی پیچھے سے جل چکے تھے۔  
”کیا ہوا نظر نہیں رہا۔“ اس کا دوپٹہ زمین پر  
رگڑ رہی تھی۔

”آ رہا ہے نظر۔ جل گئی ہوں میں۔“  
سب ہاؤ واؤ کر رہے تھے چنگاریاں اڑ رہی تھیں

جمع نے سلوت کو شور سے توڑا۔ سڑکٹ اوچے  
ڈھانچے میں آگ بھڑکی اور وہ جلنے لگا۔ سر سے گردن  
گردن سے سینے تک۔ پھر پورے کا پورا۔ اس  
آگ نے قیامت کا منظر برپا کر دیا۔ اس سے نکلنے والی  
لپٹیں دنیا کو سمیٹی ہوئی لگیں جیسے تباہی کا نقطہ آغاز ہو  
اور آبادی کاری کا نقطہ انجام۔  
سب جل جانے کا وقت آچکا ہو۔

عالیان نے ویرا کے ہاتھ کو نرمی سے چھوا اور  
مسکرایا۔

اور اسی پر بس نہیں ہوئی۔ ویرا نے یونی فیلوز کی  
طرف گھوم کر تلی بجائی اور انہیں متوجہ کیا اور عالیان  
کی طرف اشارہ کیا اور بولنے لگی اور پھر وہ زمین پر  
عالیان کے سامنے بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور  
تیز تیز بولنے لگی۔ اس کا انداز بچکانہ تھا اور دل ربا بھی

یونی فیلوز دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور  
پھر عالیان نے کچھ کہا کہ تلیاں بجنے لگیں اور ویرا  
کھڑی ہو کر مسکرانے لگی۔ یہ وہی مسکراہٹ تھی جو  
پہلے کبھی ویرا کے ہونٹوں پر دیکھی نہیں گئی تھی۔  
سائی اس کے عین پیچھے کھڑا تھا ”امرحہ! یہاں  
کھڑی کیا کر رہی ہو؟“ سائی کی آواز لرز رہی تھی۔  
امرحہ نے مڑ کر اسے دیکھا سائی اس کی حالت دیکھ  
کر ڈر گیا۔

”ویرا عالیان سے کیا کہہ رہی ہے۔ تم جانتے ہو۔  
ہے نا؟“

سائی نے اس سے آنکھیں چرائیں اور وہ جان گئی  
کہ سائی جانتا ہے۔  
”ویرا تمہارے پاس آئی تھی سائی۔ کچھ کہا تھا  
اس نے؟“ امرحہ چلا آئی۔  
سائی خاموش کھڑا رہا اور وہ کیسے کسی کاراز کسی اور کو  
دے سکتا تھا۔

امرحہ جھٹکے سے پٹی۔  
”زندگی میں سب کو آگے بڑھنا ہوتا ہے امرحہ!“  
سائی نے نرمی سے کہا۔



نوک پلک سنواری۔۔۔ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے میں نے ان بیلوں میں رنگ بھرے، چار اطراف پہاڑوں میں گھر کر مجھے ان بیلوں پر پھول بنانے کا خیال آیا اور ہزاروں کے ہجوم میں گھومتے میں نے یہ سوچنے اور فیصلہ کرنے میں کافی وقت لیا، یہ زمین کو چھوئے گی یا نہیں۔۔۔ اور کیا تم نے کبھی پھولوں کو کمر کے گرد لپیٹا ہے۔۔۔ دیکھو اس فراک پر کمر کے گرد لپیٹے یہ کیسے لگ رہے ہیں۔۔۔

اس نے اس تصویر کو ان سب خوب صورت جگہوں پر بیٹھ کر بنایا تھا جہاں جہاں وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہو۔۔۔ وہ اسے ساتھ لے گیا تھا۔ ”سوئیڈن سے صرف یہی لائے ہو میرے لیے؟“

”یہ صرف نہیں ہے۔“ اس کا منہ بن گیا وہ بہت اداس ہو گیا۔

”تم نے کبھی آرٹ کی کوئی کتاب نہیں پڑھی، ہر تصویر یوں ہے۔“ وہ اداسی سے ہی گویا ہوا۔ جو کہانی وہ لکھ کر لایا تھا امرحہ نے اسے نہیں پڑھا تھا۔

”مجھے انسان کی زبان سمجھ میں آجائے یہی کافی ہے۔“

اداسی کو جھٹک کر اس نے ایک نئی داستان کر اس بیگ میں سے نکالی اور ایسا کرتے وہ بہت خوش تھا۔۔۔ اداسی ختم ہو چکی تھی۔۔۔ جیسے وہ جانتا تھا یہ جادو ضرور چلے گا۔

وہ ایک لکڑی کا بل تھا جو بہت بڑی جھیل کے اوپر بنا تھا۔ بل کے اس طرف ایک لڑکا کھڑا منہ پر ہاتھ رکھے کسی کو آواز دے رہا تھا۔ بل کے دوسری طرف جنگل اور پہاڑ تھے ایک درخت کے پیچھے ایک لڑکی اپنی ہنسی دہاتی چھپی کھڑی تھی۔

وہ کتنی زبانیں اور داستانیں اپنے ساتھ لایا تھا، وہ اسے کیا کچھ سن رہا تھا کیا کچھ بتا رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے گھاس پر اس ماڈل کو نکال کر رکھا امرحہ نے اپنا سانس کم ہونے پایا۔

”تو کیا وہ ابھی اس سے سوال کر دے گا۔۔۔ اور اسے

۔۔۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔۔۔  
”امرحہ سنو۔۔۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟“ این نے اس کی حالت پر غور کیا۔

اسے جواب دیے بغیر وہ چلی آئی، آگ سے بھرے میدان کو پار کر کے۔ اس سے باہر نکل کر اسے ٹیکسی کے لیے دور تک چل کر جانا تھا وہ لمبی سڑک پر پیدل چلنے لگی اس کی پشت پر برنگ مین استلاہ تھا۔ اسے لگا وہ ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔۔۔ وہ دیکھو وہاں بھی کوئی جل رہا ہے اور مجھ سے زیادہ جل رہا ہے۔۔۔ وہ مجھ سے پہلے جل کر راکھ ہو جائے گا۔

اسے پیدل چلنے میں کوئی قباحت نہ ہوئی کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کہاں کیا کر رہی ہے۔



اس کے محسوسات چلا رہے تھے کہ اس نے دیر کر دی۔ اس کی آنکھ کی پٹی اسے بار بار چند مناظر دکھا رہی تھی۔

وہ جھٹک کر اس کا ماسک اٹھا رہا ہے۔۔۔ ویر اس کے آگے جھکی ہوئی ہے۔۔۔ وہ ہزاروں کی پریڈ میں اسے ڈھونڈ رہا ہے۔۔۔ وہ ہزاروں کے مجمع میں ویرا کا ہاتھ نرمی سے تھپک رہا ہے۔۔۔ وہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے کود رہا ہے وہ اسی کھڑکی سے رخ موڑے جا رہا ہے۔۔۔ دور۔۔۔ بہت دور۔۔۔ وہ دور جا چکا ہے۔

اور یہ رات کے آخری پہر کا قصہ ہے۔  
آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے گرنے لگے اس نے باکس کھولا اور سب سے پہلی چیز جو اس کے ہاتھ نے اٹھائی چلتی وہ رول ہوا کٹھن تھا۔ اس نے اس کا رین کھول کر اسے اپنے سامنے پھیلا لیا اور گھنٹوں کے بل نیچے ایسے بیٹھ گئی جیسے عقیدت کے پیش نظر ایسا کرنا لازم تھا۔

”سوئیڈن جاتے میں نے ٹرین میں بیٹھے بیٹھے اسے بنانا شروع کیا تھا پھر جہاں جہاں میں کیا یہ میرے ساتھ رہی۔ میں نے ہر خوب صورت جگہ رک کر اس کی



میں اس کی منت کرنے کیوں آیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ مائچسٹر میں پہلی برف دیکھتے ہی اس نے اپنے چار اطراف محسوس کرتے ہی۔ برف بر کر کر بیٹھے اس نے سب جان لیا تھا اس کے ہاتھ میں اس کی ہر جنبش ہر جملے کا جواب آگیا تھا وہ کہانی سمجھ گئی تھی جو ابھی سنائی نہیں گئی تھی۔

اسی وقت وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ وہ اپنے پیچھے اس کے قدموں کی چاپ نہ سنتی تو بے چین ہو جاتی، وہ سامنے نہ آتا تو کوئی اسے سامنے آنا اچھا نہ لگتا، وہ اسے ڈھونڈ نہ لیتا تو وہ خود اس کے قریب پہنچ جاتی جس جگہ وہ اسے ہائے کہنے کے لیے کھڑا ہوتا اس جگہ کو وہ بہت دور فاصلے سے ہی اپنی نظروں میں رکھتی۔ وہ فاصلوں سے اسے دیکھتی اور قریب جانے پر لا پرواہ بن جاتی۔

”تو یہ کھلونا نہیں ہے؟“ اس نے مزید اس کا دل توڑ دیا۔ وہ اس کی مشق بہت پہلے سے ہی کرتی رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔ یہ ایک تصویر کی عملی صورت ہے امرحہ۔۔۔ اسے چھوا جا سکتا ہے، سمجھا جا سکتا ہے اور بدلا بھی جا سکتا ہے۔ دیکھو پل کے اس طرف کھڑا یہ لڑکا اس

لڑکی کو آواز دے رہا ہے جس کے ساتھ اسے مچھلی کا شکار کرنا ہے یا جمیل کے پانی میں پیر ڈبو کر بیٹھنا ہے اور سورج کو چڑھتے اور ڈھلتے دیکھنا ہے یا جنگل کی طرف ہاتھ پکڑ کر لے جانا ہے اور تیلیوں کے پیچھے بھاگنا ہے۔“

”تو کھلونا ہی ہونا، تیلیوں کے پیچھے بچے ہی تو بھاگتے ہیں۔“

”بچے نہیں امرحہ! معصوم دل تیلیوں کے پیچھے بھاگتے ہیں، کیا تمہارا دل نہیں چاہتا، سارا مائچسٹر، تمہارا لاہور، یہ ہماری دنیا ہر رنگ کی تیلیوں سے بھر جائے، ہم ان میں گھر جائیں، وہ ہمارے ساتھ اڑیں، ہمیں اپنے ساتھ اڑائیں۔“

”تم بزنس کے اسٹوڈنٹ ہونا عالیان؟“

”میرا دل بزنس کا اسٹوڈنٹ ہے دل نہیں۔ تم

انکار کر دینا ہو گا جیسا کہ اس نے سوچ رکھا تھا۔ یہ خواب اتنی جلدی ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ ایسے اس کے آس پاس نہیں رہے گا۔“

”یہ کس بچے کے لیے لائے ہو؟“ اس نے سنگ دلی سے اس کا خواب توڑ دیا۔

”بچے؟“ وہ دیر تک حیران رہا اور جیسے اس کا انتھاسا دل بھی ٹوٹ گیا۔ زمین سے پھوٹتی پھولوں سے لدی دلکش رنگوں والی بلیں لپٹی تھیں۔ جیسے وہ قدیم لیکن بار بار دہرائی جانے والے داستان کی شاہی ریاست کا محل ہو، ایک لڑکی جس کے پس منظر میں یہ سب تھا زمین کو چھوٹی پوشاک جو کمر سے چست اور پھولوں سے لپٹی تھی میں ملبوس چمکتے سورج کو شرارت سے دیکھ رہی تھی اس کا ایک ہاتھ گول ہیٹ کے کنارے پر تھا جو اچھے سر سے گرنے کے قریب تھی۔ لڑکی کے لمبے بل اس کی پشت پر بکھرے تھے۔

وہ امرحہ تھی۔

”کیسی ہے؟“ اس نے بہت شوق سے پوچھا اس خیال کے متعلق پوچھا جس کی کہانی وہ بنا کر لایا تھا اچھی

”جی۔۔۔“

”تم ذرا تفصیل سے دیکھو۔“ اس کی آواز کمزور ہو گئی۔

”بہت تفصیل سے دیکھ چکی ہوں۔“ اس نے لا پرواہی سے کہا۔

تصویر میں یونی کے اندر سے ایک تقریباً نہ نظر میں آنے والا سایہ لڑکی کی طرف آتا نظر آتا تھا جو پھولوں اور بیلوں کا حصہ لگتا اور جسے پہلی نظر میں دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ امرحہ نے خود کو دیکھنے سے پہلے اس عکس کو دیکھ لیا تھا۔ ”وہ عالیان تھا۔“ جس پر اس نے انگلی نہیں رکھی تھی اس پر امرحہ نے نظر رکھ لی تھی۔

اسے ایک بل لگا تھا سمجھنے میں وہ سب جان گئی تھی۔ وہ اس کی کمر کی کے نیچے کھڑا مسکرا کیوں رہا تھا۔ وہ یونی میں اس کے پیچھے پیچھے کیوں رہتا ہے وہ کہیں سے بھی گزرے وہ سامنے کیوں آجاتا ہے وہ شوا سنور



تمہیں کھلوانا نہ لگے مجھے بتانا۔  
 ”اچھا! تم کیا کرو گے۔؟“ اس کا دل ڈوب گیا۔  
 ”جس دن اسے سمجھنے کی سمجھ لے کر آؤ گی اس دن  
 یہ سوال نہیں کرو گی۔“  
 ”اگر مجھے کبھی بھی سمجھ نہ آئی تو۔۔۔“ اپنے خوف کو  
 اس نے زبان دی۔

”ایسا ہونا ممکن نہیں۔ یہ پھر کوئی بددعا ہی ہو گی جو  
 تمہاری عقل کو دی گئی ہو گی۔“ بددعا اس کی عقل کو  
 نہیں قسمت کو دی گئی تھی۔ اس نے درخت کے  
 پیچھے کھڑی لڑکی کو لے جا کر اس کے ساتھ کھڑا کر دیا۔  
 دونوں کو جھیل کے کنارے بیٹھا دیا۔ سورج ڈھلنے لگا  
 ۔ وہ وہیں بیٹھے رہے۔ وہ یہ چاہتا تھا تو وہ بھی یہی  
 چاہتی تھی۔ لیکن اس کا چاہنا وہ بند کمرے میں ایک  
 عملی تصور کے ساتھ ہی کر سکتی تھی۔ اس نے مانا کہ وہ  
 ایک شخص وجود ہے وہ عالیاں کے لیے نحوست لے کر  
 آئی تھی۔ ایک ایسے شخص کے لیے جو بچوں سے  
 زیادہ معصوم تھا جو اس کے لیے نت نئی کہانیاں بناتا تھا  
 اور ایسا کرنے وہ کتنی ہی راتیں جاگتا رہا ہو گا۔



”اچھا چلو ایک کہانی سنو۔“ رات کو یہ بہانا کرتے  
 کہ وہ بس اس کے اسٹور کے سامنے سے گزر رہا تھا وہ  
 گھر تک کے لیے اتفاق سے اس کا ہم راہی بن گیا اور  
 راستے میں اسے کہانی سنانے لگا۔  
 ”تم سب کو کہانیوں کا اتنا شوق کیوں ہے۔ سنتے  
 بھی ہو سنا تے بھی ہو۔“ کہانی کا بہانا کر کے وہ رات کو  
 اس سے ملنے آیا تھا یا کہانی کے لیے بہانہ بنایا تھا امرہ  
 اس سے پوچھ لینا چاہتی تھی۔  
 ”ہم فرشتے ہیں نا۔۔۔!“  
 ”فرشتے۔؟“

”ہاں، بچے فرشتے ہی تو ہوتے ہیں۔“ شٹل کا ک  
 سے کتنی ہی دور پہلے وہ اسے بس سے لے کر اتر گیا۔  
 ”کتنے اسٹاپ پہلے اتر گئے تم!“ وہ چلا اٹھی۔

کتنی معمولی باتیں بھی نہیں سمجھتیں۔۔۔ چلو کوئی بات  
 نہیں میں تمہیں ہر بات تفصیل سے سمجھا سکتا  
 ہوں۔“ اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ ہر بات وہ تفصیل  
 سے سمجھ چکی تھی۔ اس وقت وہ یہی چاہتا تھا نا کہ پل  
 کے اس طرف کھڑا عالیاں جو اسے آواز دے رہا ہے تو  
 اس کی آواز پر وہ درخت کے پیچھے سے نکل کر چلتی اس  
 کے پاس آجائے اور کہے۔

”لو میں آگئی۔ تم اپنی بے سری آواز کو تھوڑا سہیلا  
 کر کے آواز نہیں دے سکتے۔“  
 ”جب تم میرے پاس نہیں ہوتی تو یہ بے سری ہو  
 جاتی ہے۔ اب سنو کیا اس میں سُر آئے۔“  
 ”ہاں اب کچھ بہتر ہے۔“ ہیٹ کو سر پر جمائے وہ  
 اس سے آگے چلے گی۔

”تمہاری نوکری میں کیا ہے؟“ وہ اس کے پیچھے  
 آئے گا۔۔۔ ضرور آئے گا۔  
 ”چیری!“ وہ مزے بغیر ادا سے کہے گی۔  
 ”اتنی کم چیری؟“ اسے صرف بات کرنے کا بہانہ  
 چاہیے ہو گا۔

”میں اتنی ہی کھاتی ہوں۔ ہلہلہ۔ تمہارے نہیں  
 لائی میں۔“

”لیکن میں تو تمہارے لیے لایا ہوں؟“ وہ لینے سے  
 زیادہ صرف دینے پر تیار رہے گا۔  
 ”کیا؟“ اب وہ پلٹے گی اسے دیکھے گی۔

”یہ۔“ اس نے منہ کھول دی اور تتلی اڑتی ہوئی  
 اس کے سر پر سے گزر گئی وہ سمجھ گئی کہ وہ کیا سوچتا ہے  
 ۔ تتلیوں کے پیچھے بھاگنے کا بہانہ کرتے دراصل اس  
 کے پیچھے بھاگنا۔ اسے تتلیاں نہیں چاہیے تھیں  
 ان کے پیچھے بھاگتی امرہ چاہیے تھی۔ اسے  
 مچھلیوں سے مطلب نہیں تھا۔ اسے اس کے ساتھ  
 بیٹھنے سے غرض تھی۔ اسے پھول اچھے لگتے تھے اگر  
 وہ اس کی پوشاک میں گندھے ہوں اس کی کمر سے  
 لپٹے ہوں یا اس کے سر پر تلج صورت رکھے ہوں۔  
 ”یہ جو تمہیں کھلونا لگ رہا ہے امرہ جس دن یہ



شنزادہ پیغامات لکھے گا اور اسے کسی ایسی جگہ باندھ دے گا جہاں سے شنزادی کا گزر ہوتا ہو۔ چلو مان لیتے ہیں شنزادی کے کمرے کے باہر لگے درخت کے ساتھ رات کے وقت وہ ان کے ساتھ گھنٹیوں کو ہلائے گا۔ شنزادی نیند سے جاگ جائے گی اور اسے جاگے ہی رہنا پڑے گا جب تک وہ درخت کے پاس آکر پیغامات نہیں پڑھ لیتی۔ وہ درخت کی شاخوں میں جا بجا بندھے پیغامات کو پہلے حیرت سے دیکھے گی پھر وہ انہیں ایک ایک کر کے پڑھے گی اور پھر ہر رات کو وہ گھنٹیوں کے بجنے کا انتظار کرے گی۔ اور پھر ایک دن شنزادہ جاوے سے آزاد ہو جائے گا۔

اس رات وہ سو نہ سکی ایسی کہانی سن کر نیند کیسے آ سکتی تھی اور آخری پہر کی اس رات اس نے اس کیچ کے پیچھے وہ ساری کہانی لکھ دی۔ لیکن یہ کیا۔ جاوے لٹا ہوا گیا۔ اب وہ سن رہا تھا نا ہی بول رہا تھا۔ اور یہ سب خود اس کی اپنی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ سب سمجھتی تھی اور انجان بنتی تھی۔ اسے یہ فخر حاصل ہو گیا تھا کہ کوئی اس پر ایسے فدا ہے اور اس نے خود ایسی خود غرضی سیکھ لی کہ اس سے فاصلہ رکھنا اپنے پلان کے مطابق اسے پہلے یہ بتایا کہ وہ پاکستان میں اپنی بات کی کروا کر آئی ہے۔

اس نے اسے انکار کیا نہ اقرار کے قابل سمجھا۔ اس نے اپنے اس پورے پلان پر بھی ٹھیک سے عمل نہیں کیا جس کے تحت انہیں صرف دوست رہنا تھا۔ اگر وہ اسے ہر حال میں انکار کرنے کا ارادہ ہی کیے ہوئے تھی تو اسے خود کو اتنا آگے نہیں لانا چاہیے تھا۔ ایک بار میں سکس کلاس کے ٹیٹرزم ایگزٹرز میں فیل ہو گئی میں اتاروئی اتاروئی کہ بے ہوش ہو گئی پھر ہوش میں آئی پھر روئی اور پھر سے بے ہوش ہو گئی۔ میرے رونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں فیل ہو گئی ہوں خواب سچا ہو گیا۔ یعنی اب وہ خواب بھی سچا ہو گا جس میں میری گردن کٹی ہوئی ہے اور سمندر کے پانی کے اوپر تیر رہی

”ڈاکٹرز کہتے ہیں اگر رات کو چل قدمی کر کے سویا جائے تو بہت گہری نیند آتی ہے۔“

”یقیناً“ ان ڈاکٹرز میں سے ایک ڈاکٹر عالمیان ہوں گے۔

”ہاں۔۔۔ تمہیں میری باتوں پر یقین کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔“

”مجھے تمہارے جھوٹ پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

”چلو کہانی سنو۔ ایک جاوے کرنی نے ایک شنزادے کو جاوے سے غائب کر دیا۔ غائب مطلب وہ موجود ہے لیکن کسی کو دکھائی نہیں دیتا وہ سن سکتا ہے لیکن بول نہیں سکتا۔ اسے ایک شنزادی سے محبت ہوتی ہے لیکن شنزادی اس سے لاعلم ہوتی ہے۔ جاوے کرنی شنزادے سے کہتی ہے کہ اگر اس نے شنزادی کو اپنی محبت کا یقین دلا دیا تو وہ اس کے جاوے سے آزاد ہو جائے گا۔“

”اچھا پھر۔۔۔؟“

”پھر اب تم پوری کرو۔“

”کیا؟“

”کہانی۔“

”پر کہانی تو تم سنا رہے تھے۔“

”یہ ایسی ہی کہانی ہے نا۔ آدمی سننے والے کی

آدمی سننے والے کی۔ اب تم یہ بوجھو کہ شنزادہ کیسے شنزادی کو اپنی محبت کے بارے میں بتائے گا۔“

”اس کے سرہانے پھول رکھ کر۔“

”پھولوں سے اسے کیسے یہ معلوم ہو گا کہ یہ وہی رکھ رہا ہے۔“

”بہت عجیب پہلی اور غریب کہانی ہے۔“

”کوشش تو کرو۔“

”کبھی بہت فارغ ہوئی تو کوشش کروں گی۔ اور

ڈاکٹرز ٹھیک کہتے ہیں مجھے بہت گہری نیند بس آنے ہی والی ہے۔“ اس نے اسے خاموش کروا دیا جبکہ وہ فوراً کہانی بوجھ چکی تھی۔



نے اسے بدشگونئی جانا۔۔۔ جب دل میں کوئی ہو تو دل سب شگونوں اور بدشگونوں کے حساب رکھنے لگتا ہے۔۔۔ وہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔۔۔ پھر وہ تہوار کا موقع تھا اور پھر تہواروں پر ویسے ہی بہت سی اجازتیں دے دی جاتی ہیں تو اس نے خود کو یہ اجازت دے دی۔۔۔ اور اسے یہ بھی لگا کہ آسمانوں سے اس سے پوچھا جا رہا ہے ”کس کا نام لکھواتا ہے اپنے نام کے ساتھ امرحہ؟“ وہ جو پلٹ گئی تھی واپس پلٹی ”میرا نام امرحہ ہے اور اس کا۔۔۔“

”اس کا؟“ خاتون مزید مسکرانے لگیں۔

”وہ۔۔۔ اس کا۔۔۔ عالیان۔۔۔!“

خاتون نے سر کو جنبش دی اور دونوں کے نام چینی میں لکھ دیے۔

ان دو رین کو لے کر اس کے لیے چلنا دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی کہ اسے لگا کہ وہاں موجود ہزاروں لوگ جو ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں تو دراصل اسی کے دل کی دھڑکن کو تلاش کر رہے ہیں۔ اسی کو لے کر سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ اسی پر مسکرا رہے ہیں۔ اور سر ہلا کر اسے بتانا چاہتے ہیں کہ ہاں ہم جان گئے ہیں تم کیا کر آئی ہو۔ دیکھو تم چڑی گئی۔

وہ مسکرائی اور مسکراہٹ غائب بھی کر لی۔ اسے یہ بھی لگا کہ اس نے کوئی بڑا گناہ کر لیا ہے۔ اور یہ بھی کہ زندگی میں اب اسے کوئی ایسی چیز ملی ہے جو اتنی قیمتی ہے کہ اسے دنیا کا ہر محفوظ کونا غیر محفوظ لگنے لگا ہے اور اسے لگنے لگا ہے کہ دنیا میں ہر کوئی اس کے ان رہنما کو چرا لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر عالیان ڈریگن پریٹ میں نہ آتا تو وہ اگلے کئی دنوں تک خود ہی اس کا سامنا نہ کرتی۔ چینی اشالوں پر گھومتے اس نے بہت کچھ دیکھا۔ ادھر عالیان۔۔۔ ادھر عالیان۔۔۔ ہر آنکھ ہر انداز ہر مسکراہٹ عالیان اس نے خود کو شیشے میں دیکھا اور وہاں بھی عالیان کو پایا۔

”ہم اچھے دوست بنے رہیں گے پھر میں پاکستان

ہے۔۔۔“ عالیان اس کی شکل کی طرف کئی لمحے دیکھتا رہا اور پھر اس کے قدموں کو سمجھنے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگا۔ اس نے سر پر ہاتھ رکھ لیا ہنس ہنس کر اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔

اس کی ایسی ہنسی دیکھنے کے لیے وہ اپنے ماضی کو کھنگال کر چند واقعات اس کے رو پر دلائی تھی۔ وہ خود کو بھی ٹھیک سے یہ بتا نہیں سکتی تھی کہ جب وہ اس کی کسی بات پر ہنستا ہے تو اسے لگتا ہے اس نے ثواب کمایا ہے۔ اس کی بھوری آنکھیں پانی سے بھر جاتی ہیں تو مشرقی ساحر کو اپنے سحر پر یار آنے لگتا ہے۔ وہ ہنسنے میں ایسے مصروف رہتا ہے کہ وہ اسے دیکھنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔

”کیا تم مجھے ہمیشہ ایسے ہنسا سکتی ہو؟“ وہ ہنسی کے درمیان پوچھتا ہے۔

وہ خاموش ہو جاتی ہے جیسے سوال سنا ہی نہیں۔ ایسے وقت وہ دوسرے حصے والی امرحہ بن جاتی ہے جسے معلوم ہے کہ انہیں ہمیشہ ساتھ نہیں رہنا۔ وہ بیک وقت خود غرضی اور خود ترسی کی انتہا پر پہنچ جاتی ہے۔

وہ خود سے بھی اقرار نہیں کرتی کہ وہ کیا چاہتی ہے اور۔۔۔

چینی خاتون نے رین دیتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ”اگر تم شادی شدہ ہو یا جلد ہی شادی کرنے والی ہو یا تم

جانتی ہو کہ تمہیں کس سے شادی کرنی ہے تو تم اس کا نام ان پر لکھوا سکتی ہو۔“

امرحہ نے خاتون کو دیکھا اور مسکرا نہ سکی۔ کیا وہ اس کے دل کا چور پکڑنے کو ہیں۔

”میں چینی میں تم دونوں کے نام لکھ دوں گی۔“ وہ پھر سے مسکرائی جیسے چوری پکڑ چکی ہوں۔

اس سے سوال کیا جا رہا تھا۔ اس کا سر گھومنے لگا جو کام خود سے بھی چھپا کر کیا جا رہا تھا اس کا اقرار کسی کے سامنے کیسے کرسکتی۔ وہ پلٹ کر جانے لگی پھر جیسے اس



رہے تھے وہ ایک عیسائی عورت کے بیٹے کو گھر میں داماد ہونے کی حیثیت سے گھسنے دیتے۔ جسے نوکری نہیں دی تھی اسے بیٹی دیتے۔ جس کے لیے ضد نہیں توڑ رہے تھے اس کے لیے روایت توڑتے؟  
وہ عالیان کو پاکستان لے جاتی اور اس کی تذلیل کرواتی۔

اور رات کے آخری پہر کی اتنی ہی کہانی ہے کہ گھٹنوں کے بل وہ زمین پر جھکی اس تصویر کو سینے سے لگائے رو رہی ہے جس میں نظر آتے اس کے مہیب عکس کو اس نے پنسل سے گہرا کر لیا تھا۔ وہ ڈریگن کے ماسک تلے بھی روتی رہی تھی۔ وہ جیسے جان گئی تھی کہ اب اسے روٹا ہی ہے۔ وہ روتی رہی۔ روتی رہی کیونکہ وہ جانتی تھی اسے اس سے الگ ہی رہنا ہے۔ وہ اسے دوستی کے لیے منالے گی، محبت تک بات نہیں لائے گی۔

لیکن اب اس رات۔ برنگ مین کو اپنی پشت پر دوڑ چھوڑتے وہ بات محبت تک لے آئی تھی۔ اس نے اس بار محبت کا ترانوہاتھ میں پکڑا تھا اور دونوں طرف عالیان کو بٹھایا تھا۔

خوف کو دل میں ہی لیے وہ بے خوف ہو کر آگے بڑھی تھی۔ ہاں اب تو اب ہی تو اس نے وہ دھن تشکیل دینی شروع کی تھی جو عالیان کے وجود سے پھوٹی روشنی سے مل کر رقص کنل ہونے کو تھی۔ اب ہی تو اس نے اس کی آنکھوں پر تنی کمانوں کے کناروں سے جاننے کی ٹھانی تھی۔ اس نے انہیں تصور میں کتنی ہی بار اپنی یوروں سے چھوا تھا۔ عالیان کو روک کر اسے ساکت کر کے اب ہی تو اسے سامنے بٹھا کر دیکھتے رہنے کا کنول آسن جمایا تھا۔

سکلیوں نے سنانے سے ہم کلام ہونا چاہا۔

وقت نے بے دردی سے بھڑجانا چاہا۔

قدر نے ترحم کے آنسو ٹپکائے۔

اندھیرے آگے سے روشن ہوتے اس راستے پر چلتے ”خليفة“ نے اپنی داڑھی کو بھیگ جانے دیا۔ جسے

چلی جاؤں گی اگر اس نے کچھ کہا تو میں کہہ دوں گی میری بات میرے کزن کے ساتھ ملے ہے۔“  
یہ تھا اس کا پلان جو اس نے ترتیب دے رکھا تھا اور اس پلان کی وجہ یا دینی تھی جو اسے عالیان کو دیکھ کر آیا کرتی تھی۔

\*\*\*

”جب تک اسے کوئی نوکری نہیں مل جاتی۔ تم اسے رکھ لو واجد۔“

”جب ایک بار کہہ دیا نہیں۔ تو نہیں۔“

”کیوں اتنے انتہا پسند بن رہے ہو۔؟“

”جی میں ہوں انتہا پسند۔ اور کیا سنتا ہے مجھ سے۔“

”انسان کو اتنا سخت دل نہیں ہونا چاہیے۔“

”میرے اپنے اصول ہیں۔ آپ مداخلت نہ کریں

بابا۔!“

”اصول ہیں شریعت نہیں کہ بدلی نہ جاسکے۔“

”شریعت ہی سمجھ لیں۔“

”شریعت ہی سمجھ لیں۔“ یہ جملہ اس کے کانوں

میں اس وقت ضرور گونجتا جب جب اس کی نظر

عالیان پر پڑتی۔

ان کی کالونی کا چوکیدار عیسائی تھا اپنے بیٹے کی نوکری

کے لیے پریشان تھا جو ایک ٹانگ سے معذور تھا اور

صرف بیٹھنے والا کام ہی کر سکتا تھا۔ اس کے دو بچے تھے

اور اس کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں تھے جہاں وہ

پہلے کام کرتا تھا وہ نوکری کسی وجہ سے جاتی رہی۔

چوکیدار دادا کے پاس کئی بار آیا تھا کہ بابا اسے عارضی

طور پر اپنی شاپ پر رکھ لیں لیکن بابا نے لاکھ منت پر

بھی نہیں رکھا۔ چند ہزار روپے دیے کہ اس کی امداد کر

دیں۔

”امداد ہی لینی ہوتی تو نوکری کرنے کے لیے تڑپ نہ

رہا ہوتا۔“ دادا نے پیسے واپس کر دیے۔

جو اپنی شاپ پر ایک عیسائی لڑکے کو ملازم نہیں رکھ